مجلہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

قیمت فی پرچہ

-/15

روپے

ٹیلیفون

5714546/5753666

idara@toluislam.com

خط و کتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ 2 لاہور

بدل الاشتراک

سالانہ

پاکستان۔ 170 روپے

غیر ممالک۔ 800 روپے

جلد 52 | دسمبر 1999ء | شمارہ نمبر 12

Bank Account No. 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore

ادارت

مدیر:

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)

محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)

سرکولیشن مینجر : مرزا محمد زمرد بیگ

کمپوزر : شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری

ناظم :- محمد سلیم اختر

ناشر :- عطا الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

جناب عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ

جناب ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

جناب محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز : آفتاب عالم پریس' 13 ہسپتال روڈ' لاہور ---فون : 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
جہنم	ادارہ	5
سات نکاتی ایجنڈا اور گڈ گورنینس	بشیر احمد عابد	9
جماعت اسلامی کی چیف ایگزیکٹو پر بے جا تنقید	ایاز حسین انصاری	14
غور طلب حقائق	ایاز حسین انصاری	20
ہمارے قائداعظمؒ	ڈاکٹر شبیر احمد	28
اقوال زریں	پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق	31
اسلامی قانون کی اصل وبنیاد کیا ہے ؟	فیصلہ مغربی پنجاب ہائی کورٹ	33

ENGLISH SECTION

The Honorable Chief Executive of Pakistan — 64
Dr. Syed Abdul Wadud

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکی کی جو حالت ہو چکی تھی وہ کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ یورپ کے ارباب حل و عقد نے ترکی کا نام (یورپ کے آئندہ شائع ہونے والے) نقشہ سے مٹا دیا تھا اور کفن چوروں کی جماعتیں اس لاش کے حصے بخرے کرنے کی فکر کر رہی تھیں کہ اتنے میں مبداء فیض کی کرم گستری سے وہاں ایک ایسا بطل جلیل پیدا ہو گیا جسے عقاب کی نگاہیں اور شاہین کے بازو عطا ہوئے تھے۔ اس لئے حالات کا غائر نظر سے مطالعہ کیا جس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ترکی کی سکرات، موت کی ہچکیوں کی ساری ذمہ داری ملوکیت کے سرسام اور مذہبی پیشوائیت کے جذام کے سر ہے۔ چنانچہ اس نے قلندرانہ جرات سے کام لیا اور اپنی ضرب کاری کے ایک ہی وار سے دونوں بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ اس کابوس کے سینے سے اترنے کے ساتھ ہی قوم کی آنکھیں کھل گئیں اور رفتہ رفتہ اس میں وہ توانائی پیدا ہو گئی کہ آج ملت ترکیہ، اقوام عالم میں عزت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ مصطفیٰ کمال کا نام ترکوں کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر اس مسلمان کے لئے وجہ صد افتخار ہے جو اپنے دل میں احیائے ملت کا کچھ بھی جذبہ رکھتا ہے۔

مصطفیٰ کمال مفکر نہیں تھا، سپاہی تھا۔ اس لئے اس نے جو کچھ کیا سپاہیانہ انداز سے کیا۔ نیز وہاں کے حالات اس قدر نازک اور وقت اس قدر تنگ تھا کہ اسے اس کی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ فکری انداز سے اسلام اور مذہبی پیشوائیت کا مطالعہ کر کے اس حقیقت کو پا لیتا کہ اسلام کچھ اور ہے اور مذہبی پیشوائیت کا پیش کردہ مذہب کچھ اور۔ نہ ہی وہاں بدقسمتی سے کوئی اور ایسا صاحب فکر تھا جو اسے اس میں فرق کر کے بتاتا اور سمجھاتا کہ اسلام ایک متحرک دین ہے جسے مذہبی پیشوائیت کے جامد مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے اس نے فیصلہ کر دیا کہ مذہب کو سیاست سے کچھ واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ ایک ذاتی عقیدہ اور انفرادی تصور ہے، مملکت کے معاملات، مملکت کی صوابدید کے مطابق طے ہونے چاہئیں۔ یہ بیشک اس کی غلطی تھی لیکن اس غلطی کا ذمہ دار وہ نہیں تھا۔ اس کے ذمہ دار وہ ارباب شریعت تھے جنہوں نے اپنے خود ساختہ مذہب کو اسلام کہہ کر پیش کر رکھا تھا اور جو زندگی میں ایک قدم بھی ساتھ چلنے کے قابل نہ تھا۔

جس زمانے میں ترکی میں یہ کچھ ہو رہا تھا عین اسی زمانہ میں سرزمین ہند (پاکستان) میں ایک مرد دانا خالص فکری انداز سے اسی سوال پر غور کر رہا تھا۔ اس نے قرآن، مسلمانوں کی تاریخ، اسلام کے خلاف عجمی سازشوں اور زمانے کے تقاضوں کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا اور وہ مدتوں کی شب بیداریوں اور اختر شماریوں کے بعد علی وجہ البصیرت اس نتیجہ پر پہنچا کہ مسلمانوں کی نکبت و زوال کا باعث ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کی لعنت ہے اور جب تک یہ زنجیریں نہیں ٹوٹتیں، مسلمانوں کو آزادی کا سانس لینا نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد، اس مرد حقیقت بین نے اپنی زندگی اسی غیر قرآنی مذہب "سلطانی و ملائی و پیری" کے خلاف جہاد میں بسر کر دی تاآنکہ وہ اپریل 1938ء میں لاہور کی شاہی مسجد کے مینار کے سائے میں آسودہ خاک ہو گئے۔

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

یہ تھیں وہ دو متوازی تحریکیں جو ایک ہی وقت میں ترکی اور ہندوستان (پاکستان) میں عجم کی اس سب سے بڑی سازش (مذہبی پیشوائیت) کے خلاف مصروف تگ و تاز تھیں' اس فرق کے ساتھ کہ جو کچھ وہاں مصطفیٰ کمال کا ہاتھ سپاہیانہ انداز سے کر رہا تھا' وہی کچھ یہاں اقبال کی زبان قلم سے مفکرانہ طریق سے ہو رہا تھا۔ کمال کے پاس قوت تھی لیکن فکر نہ تھا۔ اس لئے اس نے مذہبی پیشوائیت کو تو عملاً جڑ سے اکھیڑ دیا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے جوش انقلاب میں بہت سی غلطیاں بھی کر گیا۔ اقبال کے پاس فکر تھی لیکن قوت نہ تھی اس لئے وہ مذہبی پیشوائیت کا عملی استیصال تو نہ کر سکا لیکن مسلمانوں کے سامنے اس حقیقت کو بے نقاب کر کے رکھ گیا کہ مذہبی پیشوائیت کا خود ساختہ مذہب کچھ اور ہے اور اسلام کا دین خداوندی کچھ اور۔ مذہبی پیشوائیت کے مذہب کو بیشک سیاست سے کچھ واسطہ نہیں لیکن اگر سیاست خدا کے دیئے ہوئے دین سے جدا ہو جائے تو وہ چنگیزی بن کر رہ جاتی ہے۔

مصطفیٰ کمال کو ضرورت تھی فکر اقبال کی اور اقبال کو ضرورت تھی شمشیر مصطفیٰ کمال کی۔ وہاں "قوت تھی بے رائے" اور یہاں "رائے تھی بے قوت"۔ مصطفیٰ کمال کو اپنی زندگی میں یہ قرآنی رائے نہ مل سکی اور اقبال جیتے جی اس قوت کو نہ پا سکا جس کا تصور خود اس نے (1940ء میں) پاکستان کی شکل میں دیا تھا۔ فرق یہ تھا کہ مصطفیٰ کمال کو غالباً اس کمی کا احساس نہ تھا لیکن اقبال اس حقیقت کو بار بار اجاگر کر رہا تھا کہ اسلام نام ہے قرآنی بصیرت اور فولادی شمشیر کے مجموعہ کا۔ اور

ایں دو قوت حافظ یک دیگر اند
کائنات زندگی را محور اند

کمال اور اقبال اپنا اپنا کام کر کے چلے گئے لیکن "قرآنی بصیرت اور آہنی شمشیر" کا امتزاج کبھی نہ ہو سکا۔ اقبال کے چلے جانے کے بعد' اس کے خوابوں کی عملی تعبیر بھی مل گئی اور اس کا تصوراتی پاکستان محسوس شکل میں سامنے آگیا۔ لیکن اسے قرآنی بصیرت کبھی نصیب نہ ہو سکی۔ اس اعتبار سے پاکستان کی حالت' ترکی سے بھی زیادہ قابل افسوس رہی ہے۔ اس لئے کہ وہاں کوئی بتانے والا ہی نہ تھا کہ قرآنی فکر کسے کہتے ہیں اور اسلام اور ملا کے مذہب میں کیا فرق ہے؟ لیکن پاکستان میں قرآنی بصیرت کا فقدان نہیں۔ بایں ہمہ نصف صدی میں پاکستان نے قرآنی راہ نمائی کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

پاکستان کے موجودہ چیف ایگزیکٹو میں ہمیں فکر اقبال اور شمشیر کمال کی ایک جھلک نظر آئی ہے۔ انہوں نے مصطفیٰ کمال کو اپنا آئیڈیل قرار دیا ہے اور قائداعظم اور علامہ اقبال کے مزاروں پر حاضری دے کر ان شخصیات سے اپنے تعلق کا اظہار کیا ہے۔ لہٰذا ان سے یہ توقع عبث نہیں ہے کہ وہ اس خطہ زمین میں ایسا معاشرہ قائم کریں جو حقیقی اسلام (یعنی قرآن) کے اصولوں پر متشکل ہو اور ان اصولوں کی روشنی میں ایسے جزئی قوانین مرتب ہوں جو دور حاضر کے تقاضوں کو کماحقہ' پورا کر سکیں۔ اسی سے اسلام ان غیر اسلامی عناصر سے منزہ ہو سکے گا جو ہمارے دور ملوکیت کی یادگار ہیں اور جنہیں ہم غلط فہمی سے ہزار برس سے (حقیقی اسلام سمجھ کر) سینے سے لگائے پھر رہے ہیں۔ اسی سے ہمارا دین ایک زندہ قوت بن کر دنیا میں ہماری حفاظت اور صیانت کا ذمہ دار بن جائے گا اس لئے کہ (اقبال کے الفاظ میں) "تاریخ کے نازک ادوار میں اسلام نے مسلمانوں کو بچایا ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جہنم

سخن زنامہ و میزاں دراز تر گفتی
ہزار حیف نہ بینی قیامتِ موجود

دولت۔ قوت۔ اقتدار اور حکومت کا نشہ انسان کو بری طرح بدمست کر دیتا ہے۔ وہ پھر نہ قانون اور قاعدے کی پرواہ کرتا ہے نہ کسی اخلاقی ضابطہ یا انسانی قدر کا احترام۔ قانون اور قاعدے کو منوانے والی مشینری اس کی مٹھی میں ہوتی ہے اور اس کے سوا وہ کسی قوت کو تسلیم ہی نہیں کرتا جو اس کی بے راہ روی پر گرفت کر سکے۔ ان لوگوں کو اس کا خیال تک بھی نہیں آتا کہ ان سے کوئی باز پرس کرنے والا ہے **انهم کانوا لا یرجون حسابا** (78:27)- حالانکہ خدا کا قانون مکافات ان کی گھات میں ہوتا ہے۔ **ان جهنم کانت مرصادا** (78:21)- وہ نہایت اطمینان سے اپنی سرکشی اور جرائم پیشگی میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں تاآنکہ ان کے اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت آجاتا ہے اور مکافات عمل کی محکم گرفت (بطش شدید) انہیں اس طرح اچانک دبوچ لیتی ہے کہ ان کے ذہن میں ہی نہیں آتا کہ ہوا کیا **فیاتیهم بغتة وهم لا یشعرون** (12:107,26:202)- یہ عذاب ایسے مقام سے آتا ... ان کے سان گمان میں بھی نہیں ہوتا **واتهم العذاب** ... **لا یشعرون** (16:26)- وہ اسے دیکھ کر بھاگنا ... **فلما احسوا باسنا اذاهم منها یرکضون** ... آواز دی جاتی ہے کہ **لا ترکضوا** مت ... کر کہیں نہیں جا سکتے۔ **وارجعوا الی ما** ... **ومساکنکم** تم پلٹ کر وہیں چلو جہاں تم نے ... سے دولت سمیٹ کر اپنے عیش و عشرت ... چو انہی محلات میں جن کی تزئین و ... جگر کی رنگینی سے کی گئی تھی۔ **لعلکم تسئلون** (21:12-13)- چلو وہاں' تاکہ تم سے پوچھا جائے کہ یہ مال و دولت کہاں سے آیا تھا؟ تم سمجھتے تھے کہ تمہیں تمہاری ظلم کوشیوں اور عیش سامانیوں کے متعلق کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ آج تم سے ان سب کے متعلق پوچھا جائے گا۔ **ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم** (102:8)- تم دولت کے انبار در انبار اکٹھے کرتے چلے جاتے تھے **انهم کانوا قبل ذالک مترفین** (56:45)- اور اپنی سرکشی اور جرائم پیشگی پر مصر تھے **و کانوا یصرون علی الحنث العظیم** (56:46)- بجائے اس کے کہ تمہیں ارتکاب جرائم پر شرم آئے تم اپنی کامیابیوں اور کامرانیوں پر خوشیاں مناتے تھے اور اپنے غنڈے پن پر فخر کرتے تھے۔ **ذالکم بما کنتم تفرحون فی الارض بغیر الحق و بما کنتم تمرحون** (40:75)- تمہارے سپرد ملک کا انتظام اس لئے کیا گیا تھا کہ تم غریبوں اور محتاجوں کی روزی کا بندوبست کرو۔ لیکن تمہیں یہ اپنا فریضہ کبھی بھولے سے بھی یاد نہ آیا غریب اور نادار فاقوں مر رہے تھے لیکن تمہیں ان کا کبھی خیال تک نہ آتا تھا **ولم نک نطعم المسکین** (74:45)- تم عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ایک تنکا بھی نہیں توڑا کرتے تھے لیکن چاہتے یہ تھے کہ لوگ تمہاری تعریف و توصیف کے سپاسنامے تمہاری خدمت میں پیش کریں اور زندہ باد کے نعروں سے آسمان کو تھرتھرا دیں **و یحبون أن یحمدوا بما لم یفعلوا** (3:188)- تم ملک کا انتظام کرنے کی بجائے اپنی دولت سمیٹنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے اور جو کچھ ہاتھ لگتا اسے تجوریوں میں جمع کر کے اس پر تالے نہیں مہریں لگا دیا

کرتے تھے **و جمع فاوعی** (70:19)- ہوس اقتدار اور خواہش زر اندوزی میں تم ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانا چاہتے تھے اور اس میدان مسابقت' اس (Race Course) کا کوئی آخری کنارہ ہی نہ تھا جہاں پہنچ کر تم رک جاتے **الھکم التکاثر۔ حتی زرتم المقابر** (102:1-2)- تم اس نشہ میں اس قدر بدمست ہو رہے تھے کہ تمہیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ جو کچھ تم اس طرح جمع کرتے چلے جاتے ہو وہ مال و دولت نہیں' جہنم کی آگ ہے جس سے تم اپنے پیٹ بھر رہے ہو۔ **اولئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار** (2:174)- اگر تمہاری آنکھوں پر سے تھوڑی سی چربی بھی ڈھل جاتی تو تم جہنم کی آگ کا فورا مشاہدہ کر لیتے۔ **لترون الجحیم ثم لترونھا عین الیقین** (102:6-7)- اس لئے کہ یہ جہنم کہیں دور نہ تھی۔ تمہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ **و ان جھنم لمحیطۃ بالکافرین** (9:49)- تم ایک ثانیہ کے لئے بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے تھے **وما ھم عنھا بغائبین** (82:16)- تم دولت سمیٹ سمیٹ کر اپنے (Bank Balances) کا حساب کیا کرتے تھے **جمع مالا و عددہ** (104:2)- اور مطمئن تھے کہ یہ دولت تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گی۔ **یحسب ان مالہ اخلدہ** (104:3)- اب دیکھو کہ یہی نوٹوں کے بنڈل کس طرح وہ آگ بھڑکاتے ہیں جس کے شعلے تمہارے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے **نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ** (104:6-7)- اب اس آگ میں ان روپوں کو تپایا جائے گا جو تمہاری تحویل میں اس لئے دیئے گئے تھے کہ تم انہیں فلاح عامہ کے لئے صرف کرو۔ لیکن تم نے انہیں اپنے باوا کی میراث سمجھ کر اپنے خزانے بھر لئے۔ انہیں تپایا جائے گا اور ان سے تمہیں داغ دیا جائے گا۔ **یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم و جنوبھم و ظھورھم۔ ھذا ما کنزتم لا نفسکم فذو قوا ما کنتم تکنزون** (9:35)- یہ اس لئے کہ اس کلنک کے ٹیکے سے تم دور سے پہچانے جاؤ کہ تم جرائم پیشہ ہو اور کسی شریف معاشرے میں رہنے کے قابل نہیں ہو۔ **یعرف المجرمون بسیمھم** (55:41)- تم کام تو کرتے تھے غنڈوں اور بدمعاشوں والا لیکن معاشرے میں بڑے شریف اور معزز بنے رہتے تھے۔ اب تمہارا حقیقی چہرہ' جس پر ذلت اور رسوائیوں کی سیاہی چھا رہی ہے' بے نقاب ہو جائے گا۔ **وترھقھم ذلۃ.... کانما اغشیت وجوھھم قطعا من اللیل مظلما** (10:27)- اور تمہیں اس سے کہیں پناہ نہیں مل سکے گی **ما لھم من اللہ من عاصم** (10:27)-

تم اگر چاہو کہ دنیا بھر کی دولت دیکر بھی اپنے کئے کی سزا سے بچ جاؤ تو ایسا نہیں ہو سکے گا۔ نہ ہی تمہاری جگہ تمہارا کوئی عزیز رشتہ دار تمہاری سزا بھگت سکے گا۔ جس نے کیا ہے۔ اس کو بھگتنا پڑے گا۔ **یود المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذ ببنیہ و صاحبتہ و اخیہ و فصیلتہ التی تؤیہ۔ و من فی الارض جمیعا۔ ثم ینجیہ۔ کلا....** (70:12-15)- نہ ہی اب کسی کی سفارش چل سکے گی **فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین** (74:48)- تمہارا یہ خیال بھی خام ہے کہ تمہارا کوئی عزیز' رشتہ دار' یا دوست تمہاری جگہ پھانسی کا رسہ اپنے گلے میں ڈال کر تمہیں چھڑا لے گا۔ اس پکڑا دھکڑی میں کوئی دوست دوسرے دوست کو نہیں پہچانے گا **ولا یسئل حمیم حمیما** (70:11)- تم یہ بھی نہ سمجھو کہ جو کچھ تم نے کیا ہے اس کا ہمیں ثبوت نہیں ملے گا۔ تمہارا اعمال نامہ ہمارے پاس ہے لو! اسے خود پڑھ لو۔ **اقرا کتابک۔ کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا** (17:14)- اگر گواہیوں کی ضرورت ہو تو تمہارے ہاتھ پاؤں تمہارے خلاف گواہی دیں گے **الیوم نختم علی افواھھم و تکلمنا اید یھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون** (36:66)- تم سمجھتے ہو کہ جو سمگل کیا ہوا سونا تم نے چھپا کر رکھا ہوا ہے وہ کسی کو نہیں مل سکتا۔ ہمارے پاس اس کا بھی علاج ہے۔ تم اگر اپنے جرم سے انکار کرتے ہو تو تمہیں ایسے کپڑے پہنائے جائیں گے جس سے تمہارا جسم جھلس جائے۔ ہنٹر مار مار کر تمہاری کھال ادھیڑ دی جائے گی۔ تمہارے سر پر کھولتا ہوا

پانی ڈالا جائے گا جس سے تمہارا چھپایا ہوا سونا پگھل کر باہر آجائے گا۔ تم سمجھتے کیا ہو؟ **فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار۔ یصب من فوق رؤسھم الحمیم۔ یصھربه ما فی بطونھم و الجلود۔ و لھم مقامع من حدید** (22:19-20)۔ جب تمہیں الٹا لٹکایا جائے گا تو سب نگلا ہوا اگل دو گے **یوم تقلب وجوھھم فی النار** (33:66)۔

حکم دیا جائے گا کہ اسے گرفتار کر لو کہیں بھاگ نہ جائے۔ اس کے گلے میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالو اور اسے جہنم میں پہنچا دو۔ **خذوہ فغلوہ۔ ثم الجحیم صلوہ۔ ثم فی سلسلة ذرعھا سبعون ذراعا فاسلکوہ** (69:30-32)۔ یعنی تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر دو **و اذا القوا منھا مکانا ضیقا مقرنین....** (25:13)۔ خود نہیں جاتا تو اسے گھسیٹ کر لے جاؤ۔ **خذوہ فاعتلوہ الی سواء الجحیم۔** (44:47)۔ جس طرح جانوروں کو ہانک کر لے جاتے ہیں **و نسوق المجرمین الی جھنم وردا** (19:86)۔ یہ خطرناک قسم کا مجرم ہے، اس لئے اس پر ایسے داروغے مقرر کرو جو مضبوط اور سخت قسم کے واقع ہوں۔ **علیھا ملائکة غلاظ شداد** (66:6)۔ ایسے کہ جو کچھ ان سے کہا جائے اس کے مطابق فورا عمل کریں اور اس میں ذرا بھی کوتاہی یا سرتابی نہ کریں **لایعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یومرون** (66:6)۔

جہنم میں اس قدر چیخ و پکار ہو گی کہ کوئی کسی دوسرے کی بات نہیں سن سکے گا **لھم فیھا زفیر و ھم فیھا لا یسمعون** (21:100)۔ جہنم تو سب کے لئے ایک ہی ہو گا لیکن جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف مجرموں کے لئے داخلے کے دروازے مختلف ہوں گے **و ان جھنم لموعدھم اجمعین۔ لھا سبعة ابواب۔ لکل باب منھم جزء مقسوم** (15:43-44)۔ سنگین مجرموں کو اس میں بھی بیڑیوں میں جکڑ کر رکھا جائے گا **ان لدینا انکالا** (73:12)۔ کھانے کے لئے وہاں وہ کچھ ملے گا جو حلق میں اٹک کر رہ جائے۔ نہ اگلا جائے نہ نگلا جائے۔ **و طعاما ذاغصة** (73:13) نیز (14:16)۔ ایسا کہ جس سے نہ شکم سیری ہو نہ ہی وہ جزو بدن بن سکے۔ **لا یسمن ولا یغنی من جوع** (88:7)۔ بڑے بڑے "معززین" حرام کی کمائی سے ناز و نعمت میں پلے تھے۔ اس کھانے کو دیکھ کر تلملا اٹھیں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم مجرم ہو کر سوسائٹی میں بڑے شریف اور معزز بنتے تھے۔ اب تمہیں یہ ذلت کی روٹی کھانی ہو گی **ذق انک انت العزیز الکریم۔** (44:49)۔ وہ عذاب اور یہ روٹی چند دنوں میں ان کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی **لواحة للبشر** (74:29)۔ وہ ساری چربی پگھلا کر رکھ دیگی۔ جو مفت کی کھا کھا کر چڑھائی گئی تھی **لا تبقی ولا تذر** (74:28)۔ غرضیکہ حالت ایسی ہو گی کہ ان کا شمار نہ مردوں میں ہو گا نہ زندوں میں **لا یموت فیھا ولا یحیی** (20:74)۔ یوں تو انہیں ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن اس سے ان کی جان نہیں نکلے گی۔ **ویاتیه الموت من کل مکان وما ھو بمیت** (35:36,14:17)۔ وہ ناک سے لکیریں نکالیں گے کہ اگر ہمیں اس عذاب سے کسی طرح چھٹکارا مل جائے تو اس کے بعد ہم کبھی وہ کچھ نہیں کریں گے جس کی پاداش میں ہمیں یہ سزا ملی ہے۔ لیکن ان کی یہ معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ **ربنا اخرجنا نعمل صالحا غیر الذی کنا نعمل** (35:37)۔ جہنم سے چھٹکارا ملنا تو ایک طرف، اس کے عذاب میں تخفیف تک نہیں کی جائے گی۔ **ولا یخفف عنھم من عذابھا** (35:36)۔ ان سے کہہ دیا جائے گا کہ جنہوں نے غریبوں پر اس قدر ظلم ڈھائے ہوں، ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہو سکتا۔ **فما للظالمین من نصیر** (35:37)۔

اکیلے اکیلے مجرموں کے بعد پھر جتھوں، گروہوں اور پارٹیوں کی باری آئے گی۔ یہ گروہ اور پارٹیاں، ان تمام جرائم میں ایک دوسرے کی ہمراز اور دمساز تھیں۔ لیکن اب ان کی یہ کیفیت ہو گی کہ جب کوئی ایک پارٹی جہنم میں داخل ہو گی وہ دوسری پارٹی پر لعنت بھیجے گی **کلما دخلت امة لعنت اختھا** (7:38)۔

وہاں سب پارٹیاں اکٹھی ہو جائیں گی۔ ان میں ان کے سرغنے (Ring Leaders) بھی ہوں گے اور لیڈروں کے پیچھے چلنے والے، ان کے ایجنٹ، گماشتے اور کارندے بھی۔ یہ پیچھے

چلنے والے کہیں گے کہ ہمیں ان لیڈروں نے دھوکا دیا۔ اس لئے انہیں دوہری سزا ملنی چاہئے۔ **قالوا ربنا انا اطعنا سادتنا و کبراء نا فاضلونا السبیلا۔ ربنا اتھم ضعفین من العذ اب والعنھم لعنا کبیرا** (33:67-68)۔ یہ لیڈر اپنے متبعین سے کہیں گے کہ کیوں باتیں بناتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ قانون کا تقاضا کیا ہے اور اس کی خلاف ورزی کے نتائج کیا ہوا کرتے ہیں؟ اگر تمہارے دل میں قانون شکنی اور مفاد پرستی کا جذبہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں ان جرائم پر کیسے آمادہ کر سکتے تھے؟ اس لئے اس میں ہمارا کیا قصور۔ تم خود مجرم تھے اور مجرم ہو۔ **قال الذین استکبروا للذین استضعفوا انحن صددنکم عن الھدی بعد اذجاء کم بل کنتم مجرمین** (34:32)۔ ان کے متبعین ان سے کہیں گے کہ یہ ٹھیک ہے کہ ہم ارتکاب جرم میں تمہارے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ بلکہ بالفاظ صحیح' تمہارے آلہ کار تھے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم جس قسم کے مکر و فریب کے جال دن رات بنتے رہتے تھے۔ جس قسم کی تدبیریں صبح وشام سوچتے رہتے تھے جس قسم کی سازشوں میں مصروف تگ و تاز رہتے تھے۔ ہم جیسوں کے بس کی بات تھی کہ ان میں پھنس نہ جاتے یا تمہاری سازشوں میں شریک ہونے سے انکار کر دیتے؟ ہماری کیا مجال تھی کہ تم کسی بات کا حکم دیتے اور ہم اس سے انکار کر دیتے؟ **و قال الذین استضعفوا للذین استکبروا بل مکر اللیل و النھار اذ تامروننا ان نکفر باللہ و نجعل لہ اندادا** (34:33)۔ غرضیکہ ان میں بڑے جھگڑے ہوں گے۔ آخرالامر' ان لیڈروں کے متبعین ان سے کہیں گے کہ چھوڑو اور سب باتوں کو۔ اب کچھ ایسی تدبیر کرو جس سے اس سزا میں کچھ کمی ہو جائے ورنہ ہم تو یہیں ختم ہو جائیں گے **فیقول الضعفوء للذین استکبروا انا کنا لکم تبعا فھل انتم مغنون عنا نصیبا من النار** (40:47)۔ وہ لیڈر کہیں گے کہ ہم خود تمہارے ساتھ پھنسے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ یہاں لیڈر اور عامی میں کوئی فرق نہیں۔ اب کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ **قال الذین استکبروا انا کل فیھا....** (40:48)۔ اب چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔ اب تو اس عذاب کو جھیلنا ہی پڑے گا۔ اب گریز کی کوئی راہ نہیں۔ **سواء علینا اجزعنا ام صبرنا مالنا من محیص** (14:21)۔ اس وقت تمہارے مقابلہ میں ہماری پوزیشن اس لئے بڑی تھی کہ ہمارے پاس دولت زیادہ تھی اور حکومت ہمارے ہاتھ میں تھی۔ لیکن تمہیں معلوم ہے کہ نہ تو ہمارا مال و دولت کسی کام آسکا ہے اور نہ ہی ہمارا وہ غلبہ اور اقتدار باقی رہا ہے **ما اغنی عنی مالیہ۔ ھلک عنی سلطنیہ** (69:28-29)۔ جب انقلاب میں اونچے اونچے محلوں والے سر کے بل نیچے گرتے ہیں تو ان کا جمع کردہ مال ان کے کسی کام نہیں آیا کرتا **ما یغنی عنہ مالہ اذا تردی** (92:11)۔

یہ حالت ہو گی ان کی جو گرفتار ہونے کے بعد اپنے کئے کی سزا بھگت رہے ہوں گے۔ جن کی باری ابھی آنے والی ہو گی وہ انہیں دیکھ دیکھ کر کانپ رہے ہوں گے۔ وہ ہزار چاہیں گے کہ کہیں بھاگ کر چلے جائیں لیکن اس سے بچ کر جانے کی کوئی جگہ نہیں ہو گی۔ **ورا المجرمون النار فظنوا انھم مواقعوھا ولم یجدوا عنھا مصرفا** (18:53)۔ ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں چند دنوں کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس مدت کے اندر اندر اپنے جرائم کا اقبال کر لو اور اس طرح خود ہی الگ نکل کر کھڑے ہو جاؤ **و امتاز والیوم ایھا المجرمون** (36:59)۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر ایک ہانکنے والے اور ایک نگرانی کرنے والے کے "جلو" میں تم بھی وہیں پہنچا دیئے جاؤ گے جہاں دوسرے مجرم پہنچ چکے ہیں۔ **وجات کل نفس معھا سائق و شھید** (50:21)۔ یاد رکھو۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ ہو کر رہے گا۔ اب وہ پہلا وقت نہیں کہ قانون کی پکار ایک خالی دھمکی بن کر رہ جایا کرتی تھی۔ اب ہر تنبیہہ (Warning) حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آجائے گی۔ لیکن یہ کچھ دھاندلی سے نہیں ہو گا۔ عین حق و انصاف کے مطابق ہو گا۔ **ما یبدل القول لدیی و ما انا بظلام للعبید** (50:29)۔ تمہیں تمہارے کئے کی سزا ملے گی **انما تجزون ما کنتم تعملون** (52:16)۔

باقی رہے شریف آدمی سو ان کے لئے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** (2:38)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علیہ حمیت

سات نکاتی ایجنڈا اور گڈ گورنینس

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے 12 اکتوبر کو اقتدار سنبھالنے کے ٹھیک پانچ دن بعد قوم سے خطاب کرتے ہوئے ملکی مستقبل کیلئے سات نکات پر مبنی ایک لائحہ عمل کا اعلان کیا۔ جس کا زیر نظر مضمون میں قرآن کریم کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا تاکہ حقیقت احوال کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ لیکن اس سے پہلے ان حالات پر نظر ڈالنا ضروری ہے جو حالیہ انقلاب کا باعث بنے۔ اس ضمن میں جنرل صاحب فرماتے ہیں۔

"12 اکتوبر کو ہمارے سامنے دو راستے تھے۔ آیا آئین کی خاطر ملک کو قربان کیا جائے یا ملک کیلئے آئین کا خاتمہ کیا جائے۔ آئین مملکت کا حصہ ہے۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ آئین کو زک پہنچائے بغیر مملکت کو بچایا جائے۔ آئین محض عارضی طور پر معرض التواء میں ہے۔ یہ مارشل لاء نہیں بلکہ جمہوریت کی جانب ایک نیا قدم ہے۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مسلح افواج کو اقتدار میں رہنے کی کوئی خواہش نہیں اور کم سے کم مدت میں ایک حقیقی جمہوری نظام کو پاکستان میں رائج کرنا چاہتے ہیں"۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک نے گذشتہ برسوں میں صرف نام کی جمہوریت دیکھی ہے۔ جو جمہوری اقدار سے خالی تھی اور عوام استحصال کا شکار رہے۔ حکمرانوں کی ناعاقبت اندیش پالیسیوں اور سیاستدانوں کی دسیسہ کاریوں نے ملک کو تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا۔ 52 برس قبل آزادی کی جو شمع روشن ہوئی تھی، اس کی لو مدھم ہوتی چلی گئی اور اب چاروں طرف تاریکی ہے۔ انتشار، مایوسی، کرپشن اور نفرت روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ خاص طور پر گذشتہ چند برسوں میں ان منفی اور وطن دشمن قوتوں نے خوب پرورش پائی ہے۔ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ایسے عناصر کی سرپرستی کی گئی جو ملک سے بیزاری، اداروں کی توڑ پھوڑ اور علاقائی تعصب کو مزید پروان چڑھانے میں پیش پیش تھے۔ جنہوں نے ملکی معیشت کو تہس نہس کر دیا اور پاکستان اقوام عالم میں اپنا وقار اور اعتماد کھو بیٹھا۔

جنرل پرویز مشرف نے ان مخدوش اور سنگین حالات میں ملک کی باگ ڈور سنبھالی ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ ملک کے روشن مستقبل کے بارے میں پرامید ہیں آپ فرماتے ہیں کہ:

"ایسے حالات کے باوجود ہمیں ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ میں ایک پرامید انسان ہوں۔ میرا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر مکمل ایمان ہے اور پاکستانی قوم کی صلاحیتوں پر پورا یقین ہے۔ ایک روشن اور تابناک مستقبل ہمارا منتظر ہے۔ میں اس مفروضے کی تائید نہیں کر سکتا کہ پاکستان ایک غریب ملک ہے۔ یقین جانئے پاک سرزمین ہر لحاظ سے مالا مال ہے۔ رب کریم کی عنایات سے ہم بے پناہ وسائل کے حامل ہیں۔ وطن عزیز کی زرخیز زمین میں سال بھر میں تین فصلیں تیار ہو سکتی ہیں۔ زراعت کے علاوہ، بجلی کی پیداوار کیلئے پانی کی کمی نہیں۔ گیس، کوئلہ، تیل اور دیگر معدنیات کے وسیع ذخائر ہمارے منتظر ہیں۔ سب سے بڑھ کر "کچھ کر گزرنے کے جذبے" سے سرشار، بے لوث اور

محب وطن شہری۔ سب راہنمائی کی تلاش میں ہیں۔"

پاکستانی قوم کی خوش بختی ہے کہ آج وطن عزیز، جب ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہے جہاں سے ایک راستہ تباہی و بربادی کی طرف جاتا ہے اور دوسرا راستہ تعمیر و ترقی کی نشاندہی کر رہا ہے اسے جنرل پرویز مشرف جیسا راہبر دانا و بینا میسر آگیا ہے۔ جنرل صاحب ایک اعلیٰ مدبر اور صاحب بصیرت انسان ہیں۔ آپ قرآن کریم کے طالب علم ہیں اور اسی سرچشمہ رشد و ہدایت سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ آپ نہ صرف قرآنی نظام کو اچھی طرح سمجھتے ہیں بلکہ عصر حاضر کے تقاضوں پر بھی گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اس محروم اور افلاس زدہ قوم کی راہنمائی زندگی کے سیدھے اور ہموار راستے کی طرف کر دیں گے، جو اسے بلا خوف و خطر منزل مقصود تک لے جائے۔ لیکن اس کے لئے ہمیں دن رات کام کرنا ہو گا۔ اور جنرل صاحب کے شانہ بشانہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے وطن عزیز کو خوشحالی و ترقی اور حقیقی آزادی کے راستے پر گامزن کرنا ہو گا۔

یہ حقیقت ہے کہ جنرل پرویز مشرف نے انتہائی غیر معمولی حالات میں یہ ذمہ داری سنبھالی ہے۔ موجودہ صورت حال کے ذمہ دار آپ نہیں ہیں، یہ بات بظاہر ناقابل یقین اور افسوسناک ہے کہ سابقہ حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اپنے ہی ملک کے سب سے اہم اور فعال ادارے کو تباہ و برباد کرنے کی سازش کریں۔ اس سازش کا بنیادی نکتہ اس اہم ترین قومی ادارے کے اتحاد اور نظم و ضبط کو پارہ پارہ کرنا تھا۔ آپ سری لنکا کے سرکاری دورے سے وطن واپس آ رہے تھے کہ جہاز کو (جو کہ PIA کی ایک کمرشل فلائٹ تھی) ملک میں اترنے سے روکا گیا اور ایسے حالات پیدا کئے گئے جن کی وجہ سے مجبوراً جہاز کو بھارت اترنا پڑتا یا دوسری صورت میں جہاز تباہ ہو جاتا۔ لیکن بری فوج کے بروقت اقدام سے یہ سازش ناکام ہو گئی۔

اب ہم ذیل میں جنرل صاحب کا سات نکاتی لائحہ عمل پیش کرتے ہیں اور رب کریم کے حضور دعا کرتے ہیں کہ وہ ان مقاصد و اہداف کے حصول میں آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔ (آمین)

1- قومی اعتماد اور مورال (Morale) کی از سر نو تعمیر۔
2- وفاق کو مضبوط بنانا اور صوبوں کے مابین رابطے کو فروغ دینا اور قومی یکجہتی کی بحالی۔
3- معیشت کی بہتری کیلئے فوراً اقدامات کرنا تاکہ سرمایہ کاروں کا اعتماد بحال ہو سکے۔
4- قانون کی حاکمیت کو یقینی بنانا اور فوری انصاف کی فراہمی۔
5- قومی اداروں سے سیاست کا خاتمہ۔
6- اقتدار کی بنیادی سطح تک منتقلی تاکہ ملکی معاملات میں عوام کی شرکت کو یقینی بنایا جائے۔
7- فوری اور غیر جانبدارانہ احتساب۔

جنرل صاحب نے کہا ہے کہ گڈ گورنینس (Good Governance) ان اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے بنیادی شرط ہے۔ اب تک عوام محکوم رہے ہیں لیکن اب وقت آگیا ہے کہ حکومت عوام کی خدمت کرے۔

بیشک حکومت بہتر نظم و نسق سے ان اعلیٰ مقاصد کو باسانی حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن بہتر نظم و نسق کی بھی ایک بنیادی شرط ہے اور وہ یہ کے اسے چلانے کیلئے بہترین صلاحیتوں کے حامل افراد کا انتخاب کیا جائے۔ دراصل قانون، فی نفسہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسے معنی خیز بنانے کیلئے ایک موثر قوت نافذہ چاہیے۔ قرآن کریم سے بہتر اور بالاتر کوئی دوسرا قانون نہیں ہو سکتا۔ لیکن اہل افراد کی عدم موجودگی میں یہ نافذالعمل نہیں ہو پا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے باصلاحیت اور فرض شناس افراد کے انتخاب کو اہم فریضہ قرار دیا ہے۔ اس کیلئے کہا کہ **ان الله یامر کم ان تود وا الامنت الی اھلھا۔** "تم کو خدا حکم دیتا ہے کہ اپنی امانتیں ان افراد کے سپرد کرو جو اس ذمہ داری کے اہل ہوں"۔ اس کے بعد ان افراد کے لئے ارشاد فرمایا **واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل** "اور جب ذمہ داری سونپ دی جائے تو پھر تم لوگوں کے

عدالت کے فیصلے عدل و انصاف کے مطابق کرو"۔ (4:58)

نبی اکرم ﷺ کو یہ جو **یاایھا المزمل** کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے تو اس سے دراصل اسی اہم فریضہ کی یاددہانی مقصود تھی۔ کہ اے رسولؐ! فریضہ رسالت کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے بعد' تیرے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ تو ایسے رفقائے تیار کرے جن میں کامل ہم آہنگی اور یک رنگی ہو۔ تاکہ یہ کارواں' شاداں و فرحاں منزل مقصود کی طرف قدم اٹھاتا چلا جائے۔ اس قسم کا عمل تزمیل' سالار کارواں کا اولین فریضہ ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے دستے کی تعلیم و تربیت خود کی تھی۔ لیکن شائد جنرل صاحب کے پاس اتنا وقت نہ ہو کہ وہ اپنا دستہ اپنی زیر نگرانی تیار کر سکیں۔ آپ کو پہلے سے تربیت یافتہ افراد کا انتخاب کرنا ہو گا۔ ایسے افراد منتخب کرنے ہوں گے جو اپنے پیشے میں ماہر اور اعلیٰ سیرت و کردار کے مالک ہوں۔ قرآن کریم ایسے افراد کو **اولو العلم قائما بالقسط** کہہ کر پکارتا ہے یعنی "وہ صاحبان علم و بصیرت جو عدل و مساوات پر قائم ہوں" (3:17)- اور ان کی صفات یوں بیان کی ہیں۔ **الصبرین** یہ لوگ اپنے نصب العین پر ثبات و استقامت سے جمے رہتے ہیں اور ہر مخالفت کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ **والصدقین**۔ اور یہ اپنے دعووں کو عملاً سچ کر کے دکھاتے ہیں۔ **والقنتین**۔ اور اپنی صلاحیتوں کو ٹھیک ٹھیک پیمانوں سے استعمال کرتے ہیں۔ **والمنفقین**۔ اپنی محنت کے ماحصل کو نوع انسانی کی پرورش کیلئے کھلا رکھتے ہیں۔ **والمستغفرین بالاسحار**۔ اور اپنے پروگرام کو شروع کرنے سے پہلے اس امر کا اطمینان کر لیتے ہیں کہ ان کے پاس اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا پورا پورا انتظام ہے۔ (3:16)

یہ سچ ہے کہ پاکستان جیسے کرپٹ معاشرے میں ان صفات کے حامل افراد تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ لیکن اگر عزم پختہ اور ارادہ نیک ہو تو پھر کوئی کام بھی مشکل نہیں۔ خدا اپنے نیک بندوں کی راہیں روشن کر دیتا ہے۔ حکومت کے کلیدی عہدوں کیلئے جو افراد منتخب کئے جائیں ان کا ماضی بالکل بے داغ ہو اور انہیں عوام میں بھرپور مقبولیت حاصل ہونی چاہئے۔ انسان کے ماضی کی زندگی کس قدر اہمیت کی حامل ہوتی ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنی نبوت کی صداقت میں اپنے ماضی کو بطور دلیل پیش کیا تھا۔

فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ "ان سے کہو! کہ میں تم میں کوئی اجنبی نہیں ہوں کہ تمہیں معلوم نہ ہو سکے کہ میرا کردار کیسا ہے؟ میں نے دعویٰ نبوت سے پہلے تم میں ایک عمر بسر کی ہے۔ میری یہ زندگی تمہیں کس بات کی شہادت دیتی ہے؟" (10:16) آپ قبل از نبوت صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ انبیائے کرام اپنی عوام میں بڑے مقبول اور ان کی امیدوں کے مرکز ہوا کرتے تھے۔ اسی لئے حضرت صالحؑ کی قوم نے کہا تھا کہ **قالوا یصلح قد کنت فینا مرجوا قبل ھذا**۔ "انہوں نے کہا کہ اے صالحؑ تم سے تو ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں! (11:62) ہمیں بھی ایسے افراد کی ضرورت ہے جو صادق و امین اور قوم کی امیدوں کے مرکز ہوں۔

گڈ گورننس کیلئے بہترین افراد کے انتخاب کے بعد' دوسری اہم اور بنیادی شرط اعلیٰ پائے کی قانون سازی ہوتی ہے۔ قانون سازی کا عمل ملکی نظم و نسق پر بڑے گہرے اور دور رس اثرات مرتب کرتا ہے۔ کیونکہ قوانین کے ذریعے ملکی وسائل کو تعمیر و ترقی کیلئے بروئے کار لایا جاتا ہے۔ قوانین کے ذریعے افرادی قوت کی صلاحیتوں اور توانائیوں کا رخ متعین کیا جاتا ہے تاکہ دستیاب ذرائع و وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے۔ ان کی مثال ندی کے کناروں کی ہے۔ اگر یہ کنارے مضبوط اور ہموار ہونگے تو ندی کے بہاؤ میں اضافہ ہو گا ورنہ ندی سیلاب کا باعث بن جاتی ہے۔ اگر قوانین جامع اور موثر ہوں تو مطلوبہ اہداف باسانی حاصل ہو جاتے ہیں۔ برے اور بیشمار قوانین اعلیٰ سے اعلیٰ نظام کو بھی ناکام بنا دیتے ہیں۔ ان سے نہ صرف کرپشن پھیلتی ہے بلکہ ترقی کی رفتار بھی سست پڑ

جاتی ہے۔ یہ جو بیورو کریسی کو لعنت قرار دیا جاتا ہے تو اس کی اصل وجہ غیر ضروری قوانین سازی ہوتی ہے۔ ایک اچھے منتظم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کم سے کم قوانین سے نظام چلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر منتظم ہے کیونکہ وہ بہت ہی کم قوانین سے کام لیتا ہے۔ **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** "خدا کسی نفس کو بھی اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں ٹھہراتا"۔ (2:286)۔ یعنی خدا کے احکام و قوانین ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر ہر انسان عمل کر سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ یہ خواہ مخواہ کی پابندیاں نہیں بلکہ ان کا تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کی ذات میں وسعتیں پیدا ہوں۔ قانون سازی کی یہی اصل غرض و غایت ہونی چاہئے۔ اولاً" یہ کہ یہ قابل عمل ہوں اور ثانیاً" یہ کہ ان سے تعمیر و ترقی مقصود ہو۔ غلط اور غیر ضروری قوانین انسانی زندگی کو جہنم بنا دیتے ہیں۔ زندگی ایک شارع کی مانند ہے۔ اسے ایک حسین شارع کی طرح سیدھا اور ہموار رہنا چاہئے۔ اگر آپ اس پر قدم قدم پر رکاوٹیں (Bumps) بنا دیں گے تو زندگی کی گاڑی نہیں چل سکے گی۔ غلط قوانین ان رکاوٹوں سے بھی برے ہوتے ہیں۔ یہ وہ طوق و سلاسل ہیں جو اللہ تعالیٰ کافروں کو بطور سزا پہنائے گا۔

انا اعتدنا للکفرین سلسلا و اغللا و سعیرا" "ہم نے کفار کیلئے زنجیر و طوق اور آگ کے شعلے تیار کر رکھے ہیں"۔ (76:4) لیکن یہ طوق و سلاسل ہمیں یہیں پہنا دیئے جاتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں زنجیر میں بندھے ہوں تو انسان کی نقل و حرکت رک جاتی ہے اور گلے کے طوق سے انسان یک سو ہو کر جدت فکر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے مروجہ قوانین یہی کچھ کرتے ہیں۔ نہ نقل و حرکت کی آزادی ہے اور نہ فکر کی ! دراصل جہنم اور جہنمی معاشرے میں صرف زمان و مکان کا فرق ہے۔ باقی سب خصوصیات مشترک ہیں۔ جہنم مرنے کے بعد آخرت میں ہو گی اور جہنمی معاشرہ یہیں موجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظالمین کے متعلق بتایا ہے کہ **لھم من جھنم مھاد**۔ "ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا" **ومن فوقھم غواش** "اور اوپر سے اس قدر پابندیاں عائد ہوں گی کہ جن سے غش کھا جائیں گے۔ (7:41) اور بات سچی ہے ! ایک تو جہالت اور غربت نے زندگی کو یوں ہی اجیرن بنا رکھا ہے اوپر سے طرح طرح کی قانونی جکڑ بندیاں ہوں تو انسان غش کیوں نہیں کھائے گا"۔ اس کے بعد اہل ایمان کا ذکر ہے۔ **لانکلف نفسا الا وسعھا**۔ "ان پر بہت کم پابندیاں ہونگی اور وہ بھی اس لئے تاکہ ان کی ذات میں مزید وسعتیں پیدا ہوں"۔ کہا **اولئک اصحب الجنۃ ھم فیھا خلدون**۔ " ان کا معاشرہ گل و گلزار ہو گا اور یہ شادابیاں سدا بہار رہیں گی" (7:42) اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا' گڈ گورننس کیلئے لازمی ہے کہ کم سے کم قانون سازی کی جائے' مختصر مگر جامع' واضح اور موثر قوانین بنائے جائیں۔ اگر یہ نہیں تو پھر سابقہ حکومت ہی کی طرز کا ظلم پر مبنی نظام ہو گا۔ قوم کو اس سے غرض نہیں کہ نظام جمہوری ہے یا مارشل لاء۔ قوم کو گڈ گورننس چاہئے۔ اور بقول پال الیگزینڈر۔

For the form of Government, let fools contest

Whatever is best admistered is best.

مشہور چینی مفکر' کنفیوشس کے پاس اچھے نظام حکومت کیلئے بہت سے آئیڈیاز تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ ایک دیہات سے گزرا۔ وہاں دیکھا ایک بڑھیا قبر کے سرہانے بیٹھی زار و قطار رو رہی ہے۔ کنفیوشس نے ساتھی سے کہا۔ جا کر معلوم کرو کہ ماجرا کیا ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے ایک چیتے نے میرے میاں کے والد کو پھاڑ کھایا۔ پھر کچھ عرصہ بعد میرے میاں کو بھی کھایا اور آج اس نے میرے بیٹے کو کھا لیا؟ کنفیوشس نے کہا کہ یہ بڑھیا اور اس کے اہل خانہ اس پرخطر بستی کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ ساتھی نے کہا میں نے یہ بھی پوچھا تھا اور اس نے جواب دیا کہ میں اس بستی کو اس لئے نہیں چھوڑتی کہ یہاں کوئی ظالم حکومت نہیں ہے۔ کنفیوشس نے ساتھی سے کہا اس بڑھیا کی بات کو یاد رکھنا ظالم حکومت ایک خونخوار چیتے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی

جو حکومت ظلم پر مبنی قوانین بنائے اس سے اللہ کی پناہ! ہم تو اس کے حضور ہر وقت دعا کرتے رہتے ہیں۔ **ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا۔** "اے ہمارے نشوونما دینے والے، ہم پر اس قدر بوجھ نہ ڈالنا کہ جس کے نیچے ہماری صلاحیتیں دب کر رہ جائیں۔ جس طرح سابقہ اقوام کے ساتھ ہوا"۔ **ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به۔** "اور اے ہمارے نشوونما دینے والے، ہم پر ایسی ذمہ داریاں بھی عائد نہ کرنا جن کے ہم متحمل نہ ہو سکیں۔ (2:286)

ہم جنرل پرویز مشرف کی حکومت کو خوش آمدید کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی کامیابی کیلئے دعاگو ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں گڈ گورنینس کی توفیق و استطاعت عطا فرمائے۔ آمین۔

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

۲۵ سالہ تجربہ کار

کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۲۶۱۲۸ - ۲۴۲۱۰۴۵ - ۲۴۳۷۵۳۷

فیکس نمبر: ۲۴۱۹۷۸۲

ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

قارئین محترم

سلام و رحمت۔ دسمبر 1999ء کا شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے اس کے ساتھ ہی بہت سے قارئین کا زر شرکت برائے سال 2000ء ختم ہو گیا ہے۔ ایسے کرم فرماؤں سے درخواست ہے کہ وہ زر شرکت جلد از جلد ارسال فرمادیں۔ تاکہ پرچے کی ترسیل منقطع نہ ہو۔ زر شرکت حسب سابق اندرون ملک 170 روپے بیرون ملک 800 روپے۔ (2) پرچہ بذریعہ VP ہدایات ملنے پر ہی ارسال کیا جائے گا (3) اگر کسی وجہ سے پرچہ جاری رکھنا مقصود نہ ہو تو بھی اطلاع ضرور دیں تاکہ یاددہانی کی ضرورت نہ رہے۔ (4) کھاتوں سے جاری پرچوں میں کسی قسم کی ترمیم مقصود ہو تو اس کی اطلاع 20 دسمبر سے قبل فرمادیں ورنہ جنوری 2000ء کا پرچہ ارسال نہ ہو سکے گا۔ شکریہ۔

(چیئرمین ادارہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایاز حسین انصاری

جماعت اسلامی کی چیف ایگزیکٹو پر بے جا تنقید

جنرل پرویز مشرف صاحب کے چیف ایگزیکٹو کا عہدہ سنبھالنے کے چند روز بعد روزنامہ جنگ مورخہ 24 اکتوبر 1999ء کی خبر کے مطابق جنرل صاحب نے کمال اتاترک کو اپنا آئیڈیل قرار دیا۔ اس پر جناب حسین احمد قاضی امیر جماعت اسلامی نے تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اگر ملک میں کمال ازم یا سیکولرازم کی کوشش کی گئی تو اس کی سختی سے مزاحمت کی جائے گی کیونکہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا یہاں اسلامی نظام ہی قائم ہو گا۔ قاضی صاحب نے نہ تو کمال اتاترک کی شخصیت اجاگر کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی اسلامی نظام کے بارے میں کوئی وضاحت ضروری سمجھی۔ جماعت اسلامی کراچی ضلع شرقی کے ذمہ داران کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جماعت اسلامی سندھ کے امیر اسد اللہ بھٹو ایڈووکیٹ نے کہا کہ "جماعت اسلامی نے موجودہ حالات میں حزب احتساب کا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا ہے اگر حکومت نے لٹیروں کا بے لاگ احتساب کیا تو جماعت اسلامی ان کا ساتھ دیگی ورنہ کمال ازم اور سیکولرازم کا مقابلہ کرنا جماعت اسلامی خوب جانتی ہے۔

(جنگ کراچی 4 نومبر، 1999ء)

پاکستان کی تاریخ شاہد ہے کہ دوسروں کے خلاف خواہ مخواہ نفرت پھیلانا جماعت کا شیوہ ہے۔ یہ صرف زبانی پروپیگنڈہ ہی نہیں کرتی بلکہ معاشرہ میں خلفشار بھی پیدا کرتی رہتی ہے۔ ارباب حکومت بھی ان کے پروپیگنڈہ سے ڈرتے رہے ہیں۔ اس جماعت کی غوغا آرائیوں کی وجہ سے 1956ء کا آئین مفاہمتوں (Compromises) کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔ 1922ء کے آئین میں پرسنل لاز اور پبلک لاز کی تفریق اور فرقوں کے وجود کو ختم کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے خلاف انہوں نے قیامت برپا کر دی اور اس وقت تک چین نہیں لینے دیا جب تک ان تمام شقوں میں اپنی مرضی کے مطابق ترمیم نہ کرا لی۔ عائلی قوانین، خاندانی منصوبہ بندی جیسے فروعی مسائل کو انہوں نے اسلام کی بنیادی حقیقتیں قرار دے کر جس شدومد سے شور مچایا اس کی صدائے بازگشت سے آج تک فضا لرزاں ہے۔ زرعی اصلاحات کا سوال آیا تو انہوں نے شور برپا کر دیا کہ زمین تو ایک طرف، ذاتی ملکیت پر حد بندی اسلام کے خلاف ہے۔ ضروری تنصیبات کو قومیانے کا مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اسے ابلیس کا ایجاد کردہ انسانیت کش نظام قرار دے دیا۔ ملک میں پارلیمانی نظام رائج کرنے کی تجویز پیش ہوئی تو انہوں نے فتویٰ صادر کر دیا کہ اسلامی نظام میں صدر کو ویٹو کا حق ہونا چاہیے۔ جب صدارتی نظام رائج ہوا تو انہوں نے "بحالی جمہوریت" کی تحریک چلائی۔ صدر ایوب کے مرتب کردہ دستور کے خلاف یہ کہہ کر ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ ایک فرد کا مرتب کردہ آئین قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اور (جنرل) یحییٰ کے زیر تدوین دستور کے متعلق، اسے دیکھے بغیر، یہ ارشاد فرمایا کہ اس سے وہ اس خلافت راشدہ کا احیاء کرے گا جس کا سلسلہ شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد منقطع ہو گیا تھا۔ بھٹو کو یہ کہہ کر سزاوار جہنم قرار دیا کہ وہ سوشلزم کا حامی ہے اور خود اس ولی خان سے رشتہ اتحاد وابستہ کیا جو نہ صرف سوشلزم کا حامی ہے بلکہ سیکولر نظام کا سب سے بڑا داعی اور متحدہ قومیت کا نقیب۔

یاد رکھئے ہماری فوج، دنیا کی بہترین افواج میں سے ہے اور اس کے کارنامے قوم کے لئے باعث صد سرفرازی اور مستحق ہزار شکر گذاری ہیں۔ سرفروشوں کے احسانات کا بدلہ کون اتار سکتا ہے!

پہلی جنگ عظیم کے بعد، ترکی کی حالت اس قدر سقیم اور اندوہناک ہو گئی تھی کہ ترکی کو "یورپ کا بیمار مرد" کہا جاتا تھا۔ اس کسمپرسی کی حالت میں یونان نے ترکی پر حملہ کر دیا اور وہاں قیامت برپا کر دی مغرب نے منصوبہ بنایا تھا کہ کسی طرح اس ملک کے حصے بخرے کر دیئے جائیں۔ ہندی مسلمان کا بالخصوص ترکی سے قلبی لگاؤ تھا۔ اس حادثہ پر ہندوستان کے گلی کوچوں میں کہرام مچ گیا۔ صف ماتم بچھ گئی۔ اس بیکسی اور بے بسی کے عالم میں مصطفیٰ کمال پاشا اپنے ملک کے مٹھی بھر رفقاء کے ساتھ اٹھا اور یونانیوں پر اس طرح جھپٹا کہ ان کے بال و پر نوچ لئے۔ ترکی کو حیات نو مل گئی اور اس کا شمار زندہ قوموں میں ہونے لگا۔ اس خوشی اور مسرت کے عالم میں علامہ محمد اقبال مرحوم نے اپنی مشہور نظم طلوع اسلام پیش کی تھی۔

اس وقت ترکی میں تقریباً وہی حالات تھے جو آج کل پاکستان میں ہیں۔ مصطفیٰ کمال نے وہاں کے علماء سے کہا تھا کہ ایک مدت معینہ کے اندر ایک متفقہ علیہ اسلامی ضابطہ قوانین مرتب کر دیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے تو اس نے اپنا مرتب کردہ نافذ کر دیا تو علماء حضرات نے شور مچایا اور فسادات برپا کر دیئے شروع کر دیئے کہ وہ قوانین غیر اسلامی ہیں۔

تشکیل پاکستان کے بعد ہماری مذہبی جماعتوں کی طرف سے یہ پیش کیا گیا کہ چونکہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا ہے اس لئے یہاں اسلامی قوانین نافذ ہونے چاہئیں۔ اس کے پیش کرنے والے بیشتر حضرات وہ تھے جنہوں نے پاکستان کے دوران مطالبہ پاکستان کی سخت مخالفت کی ارباب حل و عقد کی طرف سے ان سے کہا گیا کہ آپ فرقے ہیں جن کی موجودگی میں کوئی ایسا ضابطہ قوانین مرتب کیا جا سکے گا جسے آپ سب کے نزدیک متفقہ تسلیم کیا جائے۔ اس اعتراض کے جواب میں انہوں نے 1951ء میں مختلف فرقوں کے نمائندوں پر مشتمل (جن کی تعداد اکتیس تھی) ایک کانفرنس میں ایک قرار داد منظور کی جس میں کہا گیا کہ شخصی قوانین (Personal Laws) تو ہر فرقے کے اپنے اپنے ہوں، اور پبلک لاز (Public Laws) "کتاب و سنت" کے مطابق وضع کئے جائیں۔ اس پر طلوع اسلام نے کہا کہ آپ حضرات کا یہ اتفاق محض "کتاب و سنت" کے الفاظ پر ہے عملاً تو سنت ہر ایک کی الگ الگ ہے اس لئے فرقہ وارانہ اختلافات تو باقی رہیں گے۔ آپ حضرات کے نزدیک اگر "سنت" ایک ہے تو شخصی قوانین جن کا دارومدار بھی "سنت" پر ہے تو پھر یہ قوانین بھی یکساں ہونے چاہئیں۔ اگر آپ مخلص ہیں تو کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ سب لوگ مل کر کم از کم پبلک لاز کا ایک ایسا مجموعہ مرتب کر دیں جو سب کے لئے متفق علیہ ہو تاکہ پبلک لاز کا کوئی متفق علیہ ضابطہ مدون ہو سکے۔ لیکن اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ پھر ان حضرات سے طلوع اسلام نے کہا کہ جب آپ حضرات متفقہ علیہ مجموعہ مرتب نہیں کر سکتے تو پھر یہ مطالبہ کیجئے کہ ملک کے قوانین کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کے مطابق ہونے چاہئیں کیونکہ وہ سب کے نزدیک متفقہ علیہ ہے۔

اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے ان حضرات نے ایک حربہ وضع کیا اور وہ یہ ہے کہ اٹھتے بیٹھتے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ علامہ پرویز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور طلوع اسلام منکر قول رسولؐ ہیں۔ اس نے عوام کو گذشتہ پچاس سال سے الجھا رکھا ہے۔ ہماری قوم جذباتی واقع ہوئی ہے اور پروپیگنڈہ کا جلد شکار ہو جاتی ہے۔ جب اس قسم کا زور دار پروپیگنڈہ ہو رہا ہو تو کون سا مسلمان ہے جو طلوع اسلام کو دیکھنا بھی گوارہ کر سکے۔ لیکن طلوع اسلام حق پر ہے اور اپنی بات پر جم کر کھڑا ہوا ہے۔ بالآخر جو اس مطالبہ کے میر کارواں تھے یعنی مودودی (مرحوم) ان کو اعلان کرنا پڑا کہ:

"کتاب و سنت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں ہے جو پبلک لاز کے معاملہ میں حنفیوں، شیعوں اور اہل حدیث کے درمیان متفقہ علیہ ہو۔" (ایشیا 23 اگست 1970ء)۔ حیرت کی بات ہے کہ

مودودی صاحب کے اس اعلان کے بعد ان کے خلاف نہ کوئی آواز اٹھی نہ کسی نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا کیونکہ مرحوم "مولانا" تھے۔ اس الجھن کا حل انہوں نے یہ پیش کیا کہ نہ قرآن کو باقی رکھا جائے نہ سنت کو۔ فقہ حنفی نافذ کر دی جائے کیونکہ ملک کی اکثریت حنفی ہے۔ ملک کو مزید الجھن میں ڈالنے کے لئے جماعت اسلامی کے امیر قاضی صاحب اور دیگر علماء حضرات کی طرف سے وہی رٹ لگائی جا رہی ہے کہ ملک میں اسلامی نظام قائم کیاجائے اور قوانین قرآن و سنت کے مطابق بنائے جائیں۔ ان حضرات کے نزدیک اسلام نام ہے روایات کی اطاعت یا فقہ کی اطاعت کا۔ قرآن محض تلاوت کے لئے رہ گیا۔ "صرف قرآن" سے دین کا قانون اخذ کرنا جرم عظیم سمجھا جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے تمام دنیا کے مسلمان کمزور اور ناتواں ہیں اور اکثر اوقات ان کی کمزوری' ذلت اور خواری کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنی پہلی پریس کانفرنس مورخہ یکم نومبر 1999ء میں صحیح فرمایا کہ ہماری عزت کا سودا ہوا ہے اور ہم پوری دنیا میں بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس کے اسباب کیا ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے اس کا ایک ہی سبب ہے۔ سورہ محمدؐ میں ہے "جو لوگ صداقت سے انکار کرتے ہیں وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں" (47:8)۔ سوال یہ ہے کہ وہ کونسی صداقت ہے جس سے انکار کا نتیجہ ذلت و خواری ہے؟ فرمایا:

ذالک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبطو اعمالھم (47:9)۔ "یہ ذلت و خواری اس لئے ہے کہ یہ لوگ خدا کی کتاب کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا سب کیا کرایا رائیگاں چلا جاتا ہے۔"

یہ آیت غیر مسلموں کے متعلق نہیں ہم (مسلمانوں) کے لئے ہے۔ غیر مسلم تو کھلے بندوں انکار کرتے ہیں **کرھو** کے معنی کراہت ہوتے ہیں۔ کسی کو مجبوری کے تحت ماننا پڑے لیکن دل اس پر راضی نہ ہو۔ ہم ہیں کہ قرآن کو دل کی رضا مندی سے تو مانتے نہیں لیکن کھلے بندوں اس سے انکار کی جرات بھی نہیں۔ ہماری اس حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

و اذا ذکرت ربک فی القران وحدہ ولو اعلی ادبارھم نفور (17:46)۔ "اور جب تو قرآن میں اکیلے خدا کا ذکر کرتا ہے تو ان کے دل میں نفرت کا طوفان اٹھتا ہے اور یہ پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں"۔

یہ خدائے واحد (اکیلے خدا) کی اطاعت کے تصور تک کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کے ساتھ انسانوں کو بھی شریک کرتے ہیں۔

"جب تو خدائے واحد کا ذکر کرتا ہے تو ان لوگوں کا دل پیچ و تاب کھاتا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ لیکن جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں (39:45)۔

انسانوں کو خدا کا ہمسر بنانا۔ ان کے فیصلوں کو خدائی شریعت قرار دینا کھلا ہوا شرک ہے۔

"کیا انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرا رکھے ہیں جو ان کے لئے احکام شریعت وضع کرتے ہیں حالانکہ خدا نے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی (12:106)۔

خدا کے ساتھ انسانوں کو شریک کرنے والوں کے متعلق وہ کہتا ہے۔

"(اے رسول) کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تیری طرف یہ کتاب نازل کی ہے' جس میں' ان لوگوں کے لئے جو اس کے **خود مکتفی** ہونے پر ایمان رکھتے ہیں' سامان شرف و رحمت ہے" (29:51)۔

یہ لوگ جو اس کے **خودمکتفی** ہونے پر ایمان رکھتے تھے' صدر اول کے مومن تھے۔ وہ اعلان کرتے تھے کہ **حسبنا کتاب اللہ** "ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے"۔

کاش یہ حضرات (مذہبی علماء) عقل و فکر سے کام لیں اور اس حقیقت میں یقین رکھیں کہ ہر انسان کو صفحہ ہستی سے مٹ جانا ہے اور اپنے اعمال کے لئے اللہ کے سامنے جواب دہ بھی ہونا ہے اور نتیجہ بھی بھگتنا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس مملکت کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ اور مقصد اس سے یہ تھا کہ اس میں اسلامی نظام نافذ کر دیا جائے۔ اجمال کی طرف آیئے (ویسے تفصیل کے لئے پورے قرآن مجید کی تفسیر درکار ہے) تو ایک آیہ جلیلہ اس مقصد کو سامنے لانے کے لئے کافی ہے وہ یہ ہے کہ **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون** (9:33)- خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطہ ہدایت اور نظام زندگی دے کر بھیجا جو سراسر حق پر مبنی ہے۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ یہ تمام انسانوں کے خود ساختہ تمام نظامات پر غالب آکر رہے گا۔ خواہ یہ بات مشرکین کو کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے۔

اس سے واضح ہے کہ اسلام ایک عظیم الشان پروگرام کا نام ہے جس کا مقصد خدا کے متعین کردہ نظام کو تمام نظام ہائے عالم پر غالب کرنا ہے۔ جو اپنی زندگی کا یہ نصب العین قرار دیتا ہے اسے مسلم یا مومن کہا جاتا ہے۔

ہمارے زمانے میں سیکولر حکومت کی اصطلاح عام ہو رہی ہے لیکن اس کا کوئی متعین مفہوم سامنے نہیں آیا۔ اس کا ترجمہ لادینی حکومت کیا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت کچھ یوں ہے۔

قرآنی نقطہ نگاہ سے ایک مملکت وہ ہے جس میں جملہ کاروبار حکومت' خدا کی کتاب کے مطابق سرانجام پاتا ہے۔ یہ نظام حکومت تھا جسے قائم کرنے کے لئے حضور نبی اکرمؐ سے ان الفاظ میں کہا گیا تھا کہ: **فاحکم بینھم بما انزل اللہ** ..... (5:48)- ان میں کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم کرو۔ اس نظام میں انسانی زندگی کا کوئی شعبہ کتاب کی حدود سے باہر نہیں رہتا۔ یہ انسانی زندگی کے ہر گوشہ کو محیط ہوتی ہے۔ اسے اسلام کے عقیدہ توحید پر مبنی دینی ریاست کہا جاتا ہے۔ مذہبی پیشوائیت میں اس کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ تھیاکریسی سے بھی مختلف ہوتی ہے۔

دوسرا نظام حکومت وہ ہے جس میں کتاب اللہ تو ایک طرف' خدا کا نام تک بھی نہیں آتا۔ یہ کافرانہ نظام زندگی ہوتا ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ۔ **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلٰک ھم الکافرون** (5:44)- جو **ما انزل اللہ** کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔ اشتراکی حکومتوں کا یہی نہج ہوتا ہے کیونکہ مارکس کے فلسفہ کی بنیاد خدا کے انکار پر ہے (اگرچہ مصلحت کی بنا پر مسلمانوں کو نماز روزہ وغیرہ کی اجازت دے دی جاتی ہے) اسے سیکولر حکومت کہا جاتا ہے۔ یہ اس کی ایک قسم ہے دوسری قسم کا ذکر آگے آتا ہے۔

تیسری قسم کا نظام حکومت وہ ہے جس میں مذہب پرست لوگوں کو اعتقادات' عبادات اور پرسنل لاز اپنی مرضی سے اختیار کرنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن امور مملکت میں مذہب کو داخل ہونے نہیں دیا جاتا ہے۔ اسے مذہب اور سیاست کی ثنویت (Dualism) کہا جاتا ہے۔ قرآن اسے مشرکانہ انداز حکومت قرار دیتا ہے۔ یعنی زندگی کے ایک دائرہ میں خدا کو ماننا اور دوسرے دائرہ (سیاست) میں انسانوں کو صاحب اختیار (Authorities) تسلیم کرنا۔ جیسے کہ اوپر کہا گیا ہے کہ سورہ زمر میں ہے۔ "جب ان سے خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے (یعنی کہا جاتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں صرف خدا کا اتباع کرو) تو جو لوگ آخرت کے منکر ہیں' انہیں یہ بات بے حد ناگوار گذرتی ہے لیکن جب خدا کے علاوہ اوروں کو بھی ساتھ شامل کر لیا جائے تو ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں (39:45)- یہ ہے توحید کے معاملے میں ثنویت کا شرک۔ مسلمانوں سے واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا۔ یہ ہے مغربی جمہوریت کا نظام جسے قرآن نے مشرکانہ انداز حکومت کہا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ سیکولرازم دو قسم کا ہوتا ہے۔ قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ "یاد رکھو تم میں سے جو ایسے کرے گا" تو نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو گا کہ وہ اس دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہو گا اور قیامت میں بھی شدید ترین عذاب میں مبتلا۔ خدا تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ (2:85)-

یہ وہ سیکولر نظام تھا جسے ہندو قائم کرنا چاہتا تھا۔ ہمارے

اکثر علما حضرات وہاں ہندو کی تائید و حمایت کرتے تھے۔ یہی حالت دوسرے قومیت پرست مسلمان لیڈروں کی تھی اور اس دور کے نیشنلسٹ علما (جو بعد میں یہاں آگئے) یا ان کے عقیدت مند اور متبعین جو مذہب پرست بظاہر سیکولر نظام کے مخالف ہیں اور اقامت دین کے مدعی' یہاں تھیاکریٹک نظام حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں نظام حکومت مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ **ما انزل اللہ** کے مطابق حکومت کا قیام ان میں سے کسی کا بھی مطالبہ یانصب العین نہیں۔ جہاں تک مملکت پاکستان کا تعلق ہے' اس نے نظری اور آئینی طور پر اپنے دینی ہونے کا اعلان کر رکھا ہے۔ نظریہ پاکستان سے بھی ہم اسی طرح منافقت برت رہے ہیں۔ چار لفظوں میں نظریہ پاکستان کا مفہوم یہ ہے کہ مملکت اپنا کاروبار قرآن کریم کے مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام دے گی۔ ہم نے یہ الفاظ قرار داد پاکستان میں بھی درج کر لئے اور اس کے بعد انہیں پاکستان کے ہر آئین میں دھراتے چلے آرہے ہیں لیکن عملاً یہاں بھی ہنوز سیکولر نظام رائج ہے۔ پاکستان تو ایک طرف' کتاب اللہ کی حکومت اس وقت دنیا میں کہیں بھی نہیں۔ اور اس منافقت کی وجہ سے ہم پست ترین درجہ میں گر چکے ہیں۔

اس مملکت کو اس لئے حاصل کیا گیا تھا کہ یہاں اسلامی نظام قائم اور اسلامی معاشرہ متشکل کیا جائے گا۔ دستور میں مندرجہ ذیل شقیں موجود ہیں۔

1- مملکت کا نام جمہوریہ اسلامیہ ہے۔

2- مملکت کا مذہب اسلام ہے۔

3- مملکت اپنے جملہ اختیارات و مقتدرات خدا کے متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کرے گی اور

4- کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہ وضع کیا جائے گا نہ رائج کیا جائے گا۔

لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ آج تک یہ بھی طے نہیں ہو سکا کہ اسلام اور اسلامی نظام کا مفہوم کیا ہے۔ ہر فرد' ہر مذہبی فرقے کے ذہن میں اسلام کا تصور الگ الگ ہے۔ مذہبی پیشوائیت نے مصلحتاً اس کا مفہوم متعین نہیں کیا اور ار[...] اقتدار نے بھی عافیت اس میں سمجھی ہے کہ اس مسئلہ کو جو[...] توں رہنے دیا جائے (تفصیل کے لئے دیکھئے عدالتی منیر کمیٹی تحقیقاتی رپورٹ' 1953ء' شائع کردہ حکومت پنجاب)۔ مرکز[...] حکومت پاکستان کابینہ کا ایک جداگانہ قلمدان ہوتا ہے "وزارت امور مذہب" (Ministry for Religious Affairs)۔ دستور کی رو سے جب ہماری مملکت کا مذہب اسلام ہے تو پھر ا[...] مملکت کے جملہ امور کا تعلق اسلام سے ہی ہو گا۔ یہ کس طرح قابل فہم ہے کہ مملکت میں سے ایک گوشہ کاٹ کر وزارت امور مذہبیہ قرار دے دیا جائے۔ کیا وہ امور جو باقی وزارتوں میں طے پائیں گے ان سے مذہب کا تعلق نہیں ہو گا۔ کیا عہد رسالتمآبؐ اور خلافت راشدہ میں رائج کردہ نظام کے دور میں کوئی "امور مذہبیہ" کے لئے جداگانہ شعبہ تھا؟ کیا کسی سوشلسٹ مملکت میں "سوشلزم" سے متعلق امور کے لئے کوئی الگ وزارت ہوتی ہے؟ وزارت "امور مذہبیہ" خالصتاً سیکولر نظام کا تقاضا ہے اور اسلامی نظام کے یکسر خلاف۔ انگریزوں کے دور حکومت میں البتہ ایک علیحدہ محکمہ ہوتا تھا جسے Ecclesiastical Department کہا جاتا جس کا تعلق کلیسا کے مذہبی امور سے ہوتا تھا۔ دنیاوی اور مذہبی امور میں تفریق و تقسیم' ثنویت (Dualism) کو مٹانے کے لئے ہی اسلام آیا تھا۔ اسلامی حکومت میں اس وزارت کا وجود ہی غیر اسلامی ہے اور اس وزارت کی جداگانہ تشکیل سیکولر نظام حکومت کا پیداکردہ تصور ہے جس میں دنیاوی اور مذہبی امور میں ثنویت ہوتی ہے لیکن تعجب ہے اس قلمدان کو سنبھالنے میں ایک "عالم دین" مسرت اور فخر محسوس کرتا ہے۔ وہ خوش ہوتے ہیں کہ انہیں دور ملوکیت میں جو مقام حاصل تھا پھر سے وہ کھویا ہوا مقام مل گیا۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

جب سیاست مذہب کا نقاب اوڑھ کر آتی ہے تو انسانیت کے لئے کس قدر خطرناک ہوتی ہے اس کا اندازہ وہ لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے تاریخ مذہب و سیاست کا مطالعہ کیا ہے۔ اس وقت نہ کسی کی جان محفوظ ہوتی ہے نہ مال' نہ عزت محفوظ ہوتی ہے نہ آبرو' نہ عقائد محفوظ ہوتے ہیں نہ حقائق۔ اور نہ علم باقی رہتا ہے نہ بصیرت' مذہبی پیشوائیت کا مقدس فولادی شکنجہ ہوتا ہے اور جسدِ انسانیت !

ایک بار پھر پاکستان میں اس قسم کی سیاست' مذہب کے نقاب میں آگے بڑھ رہی ہے۔ " دینی " جماعتوں کے اتحاد کی خبریں آئے دن چھپتی رہتی ہیں۔ سادہ لوح مسلمان' جسے مذہب سے بڑی محبت ہے' اسے قیامِ شریعت کی مخلصانہ جدوجہد سمجھ کر اس کا ساتھ دے رہا ہے اور اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ اس دھوکے میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اور آنے والی نسلوں کے لئے کتنے بڑے مہیب خطرے کی پرورش کر رہا ہے۔

جماعت اسلامی کی خطرناک ڈکٹیٹر شپ پر' طلوع اسلام' کے بے لاگ تبصرہ کے لئے کتاب

مزاج شناس رسول

دیکھئے۔ اگر آپ جذبات کو الگ رکھ کر ٹھنڈے دل سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ فی الواقعہ یہ کتنا بڑا دھوکہ ہے جو مذہب پر فریفتہ ہو جانے والے مسلمانوں کو دیا جا رہا ہے اور اس کے نتائج اسلام اور پاکستان کے لئے کس قدر تباہ کن ہیں۔ کیونکہ در حقیقت

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

قیمت (مع ڈاک و پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن =/200 روپے
قیمت (مع ڈاک و پیکنگ خرچ) سستا ایڈیشن =/100 روپے

مینجر طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایاز حسین انصاری

غور طلب حقائق

اسلام مذہب نہیں- مذہب کا لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا- اسلام دین ہے یعنی نظام حیات- الدین سے مراد خدا کا عطا کردہ نظام زندگی ہے جو ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتا ہے اور جس کے مطابق ہمارے اعمال کے نتائج مرتب ہوتے ہیں- جس دور میں انسان اپنے آپ کو اس نظام کے تابع لے آئیں گے وہ تمام دوسرے انسانوں کی محکومی سے آزاد ہو کر صرف قوانین خداوندی کے محکوم ہونگے- اللہ تعالیٰ نے اس دین کو قرآن کریم میں مکمل اور محفوظ کر دیا ہے-

مذہب اس راستے کو کہتے ہیں جو انسانوں کا وضع کردہ ہو- اسلام کے لئے دین کا لفظ آیا ہے- درحقیقت مذہب کے معنے مکتب فکر (School of Thought) کے ہیں- ابتدائے اسلام میں اسلام صرف دین تھا- بعد میں جب مختلف ائمہ فکر و فقہ کی نسبتوں سے مختلف طریقے پیدا ہوئے تو دین کی جگہ مذہب (طریقہ) نے لے لی- دین ایک اجتماعی نظام کا نام ہے جس کا سرچشمہ قرآن ہے- زمانہ حاضر کی اصطلاح میں اسے نظام مملکت کہا جاتا ہے- اس مملکت کا جملہ کاروبار قوانین و احکام خداوندی کی چار دیواری میں رہتے ہوئے سرانجام پاتا ہے- اس مملکت کے فیصلے مرکز ملت (سینٹرل اتھارٹی) کی وساطت سے قانونی حیثیت سے نافذ ہوتے ہیں اور ان کا اطلاق تمام مسلمانوں پر یکساں ہوتا ہے- اس میں سارے امور امت کے مشورے سے طے پاتے ہیں- اس میں کسی فرد کو حق حاصل نہیں کہ وہ اسلام میں سند بن کر بیٹھ جائے-

اجتماعی نظام قائم کرنے کے لئے ایک امت کی ضرورت ہوتی ہے- وہ افراد جو دین کے نظریہ کی صداقت کو بطیب خاطر تسلیم کرتے ہیں وہ الگ الگ زندگی بسر نہیں کرتے بلکہ اجتماعی زندگی بسر کرتے ہیں- پوری امت کا نصب العین ایک ہی ہوتا ہے- امت کا وجود اپنی منفعت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد نوع انسان کی بہبود و منفعت ہوتا ہے- قرآن نے کہا تم وہ بہترین امت ہو جسے نوع انسان کی بہبود و منفعت کے لئے پیدا کیا گیا ہے- اس امت کی مرکزیت حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس تھی وہ اس امت کی نگرانی کرتے تھے- اسی طریقہ کار کو امت کا منہاج کہا جاتا ہے- ان کی وجہ جامعیت "اعتصام بحبل اللّٰہ" تھی-

وجہ جامعیت کے لئے محسوس زندہ اتھارٹی کی ضرورت تھی جو امت کو یکجا رکھ سکے اور ان کے معاملات میں حکم بن جائے- یہ محسوس اتھارٹی بھی حضورؐ کی ذات اقدس تھی- قرآن کریم نے امت کے مومن ہونے کے لئے شرط یہ بتائی تھی کہ وہ اس سینٹرل اتھارٹی کے فیصلوں کو بطیب خاطر قبول کریں- کہا کہ "تیرا رب اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں بن سکتے جب تک ان کی حالت یہ نہ ہو کہ یہ اپنے ہر اختلافی معاملے میں تجھے اپنا حکم تسلیم کریں اور اس کے بعد ان کی کیفیت یہ ہو کہ تیرے فیصلے کے خلاف ان کے دل کی گہرائیوں میں بھی کوئی گرانی محسوس نہ ہو- یہ اسے بطیب خاطر قبول کریں-

قرآن مجید کی اطاعت انفرادی طور پر نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی اتھارٹی' رسولؐ کی وساطت سے اجتماعی طور پر ہی کی جا سکتی

ے تھے کہ امت میں صرف کامل اتحاد ہی نہیں قرآن مجید کے الفاظ میں ان کے دل بھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ نظام رسول اللہ ﷺ کی زندگی تک ہی تھا یا اسے آگے بھی چلنا تھا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو آخری کتاب اور اسلام کو تمام نوع انسان کے لئے قیامت تک کے لئے دین الحق قرار دیا تو اس سے ظاہر ہے کہ اس نظام کو حضورؐ کی زندگی تک محدود نہیں رہنا تھا' آگے بھی چلنا تھا- اس کی وضاحت قرآن کریم نے ان الفاظ میں کر دی-

وما محمد الا رسول- قد خلت من قبله الرسل- افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم- ومن ینقلب علیٰ عقبیه فلن یضر الله شیئا (3:144)-

"محمد بجز این نیست کہ خدا کا ایک رسول ہے- اس سے پہلے کئی رسول دنیا میں آئے اور اپنے فرائض مذہبی سرانجام دینے کے بعد رخصت ہو گئے- اور اگر یہ رسول بھی کل کو وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم یہ خیال کر کے کہ یہ نظام تو اس رسول کی زندگی تک محدود تھا' پھر اپنی روش کی طرف پلٹ جاؤ گے؟" یاد رکھو! جو ایسا کرے گا- خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا"-

اس نکتہ کی وضاحت کے لئے حضورؐ نے فرمایا تھا:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشد ین المهتد ین- (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنته)

"تم پر میرے طریقے اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کی پیروی لازمی ہے"-

یہ محض طلوع اسلام ہی نہیں کہتا بلکہ عصر حاضرہ کی تفاسیر میں بھی ایسے ہی الفاظ ملتے ہیں- مثلاً سورہ الانفال میں ہے:

یسئلونک عن الانفال- قل الانفال لله و الرسول (8:1)-

"اے رسول! لوگ تم سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں- کہہ دو! کہ مال غنیمت تو اصل اللہ اور اس کے رسول کا ہے"

(مولانا) ابوالکلام آزاد تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مال غنیمت جو لڑائی میں ہاتھ آئے وہ اللہ اور رسول کا ہے یعنی یہ بات نہیں ہونی چاہئے کہ جو جس کے ہاتھ میں پڑ گیا وہ اسی کا ہو گیا- بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کرنا چاہئے وہ اسے جماعت میں تقسیم کرے گا (مولانا) آزاد نے یہاں "اللہ اور رسول" کے لئے متقدمین کے اتباع میں "امام" کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن اگلے صفحے پر اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ: "قرآن کریم نے حکم دیا ہے کہ مال غنیمت جو کچھ بھی ہاتھ آئے' حکومت (یعنی اسٹیٹ) کا ہے-

(ترجمان القرآن- جلد دوم- ص 54-53)-

دوسری مثال: سورہ المائدہ میں ہے **انما جزآؤ الذین یحاربون الله و رسوله و یسعون فی الارض فسادا....** (5:33)-

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ "جو لوگ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں.... (ان کی سزا یہ ہے کہ....)" ترجمہ پر وہ حاشیہ اس طرح لکھتے ہیں-

"زمین سے مراد یہاں وہ ملک ہے یا علاقہ ہے جس میں امن و انتظام قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لے رکھی ہو اور خدا اور رسول کے لڑنے کا مطلب اس نظام سے جنگ کرنا ہے جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو... ایسا نظام جو کسی سرزمین میں قائم ہو جائے تو اس کو خراب کرنے کی سعی کرنا... دراصل خدا اور اس کے رسول کے خلاف جنگ ہے....." (تفہیم القرآن جلد اول ایڈیشن 1951ء ص 465)

امت کو اس قسم کی ہدایات اور تاکیدات کے بعد حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفائے راشدین نے اس نظام کو قائم رکھا بدقسمتی سے تھوڑا عرصہ بعد مفاد پرست قوتوں نے ابھرنا شروع کیا- بعد میں یہ نظام ملوکیت میں تبدیل ہو گیا- پہلے ملوکیت آئی اور اس کے ساتھ ہی سرمایہ

داری اور ان دونوں نے اپنے تحفظ کے لئے دین کو مذہب میں بدلنا شروع کیا- بنی امیہ کے دور میں دین کا نقشہ کیا رہا تاریخ سے نہیں ملتا- تاریخ بتاتی ہے امت میں کم از کم سیاسی وحدت قائم تھی- بنو عباس کے زمانے میں نہ مملکت کی سیاسی وحدت رہی نہ دین کا وہ نقشہ برقرار رہا- اس دور میں مختلف فقہیں مرتب ہوئیں ان کی وجہ سے امت مختلف فرقوں میں بٹ گئی- امت میں توحید بھی باقی نہ رہی- فرقے چلتے گئے- فرقے بندی کو قرآن نے شرک اور کفر قرار دیا- لیکن اب ان فقہوں کا نام اسلام ہے اور ان کے پیروؤں کا نام مسلمان- یہ دین بھی آہستہ آہستہ مذہب میں تبدیل ہو گیا جس طرح سابقہ انبیائے کرام کا لایا ہوا دین تبدیل ہوا تھا- اس فرق کے ساتھ کہ اس دین کا ضابطہ- قرآن کریم- اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہا- کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا تھا- رسولؐ کے بعد کسی نبی نے آنا نہیں- اب دین کو اس اصلی شکل میں پیش کرنے کی صورت یہی ہے کہ قرآن کریم کو عملی زندگی کا ضابطہ بنانے کی کوشش کی جائے-

علامہ اقبالؒ نے جب (اپنے 1930ء کے خطبہ) میں کہا تھا کہ جداگانہ مملکت کے قیام سے مقصود یہ ہے کہ اسلام پر جو رنگ ملوکیت کے زمانے میں چڑھ گیا تھا' اسے اتار کر صدر اول کے قرآنی اسلام کو تازہ کردیا جائے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اسلام جو مذہب کی شکل اختیار کر چکا تھا اس کی جگہ "الدین" کو نافذ کیا جائے- وہ جو بار بار کہتے تھے اور اسے قائداعظمؒ بھی دھراتے رہے کہ پاکستان میں مذہبی پیشوائیت نہیں ہو گی تھیاکریسی نہیں ہو گی تو اس کا عملی مفہوم یہ تھا کہ وہاں دین کا نفاذ ہو گا-

نزول قرآن کے وقت انسان کی حالت یوں تھی- انسان

(1) ڈرتا تھا کائنات کی قوتوں سے' ان قوتوں کے سامنے اپنے آپ کو کمزور اور ناتواں سمجھتا تھا- انسان انہی قوتوں کو معبود سمجھتا تھا-

(2) جکڑا ہوا تھا مستبد حاکموں کی ذلت آمیز اور اذیت ناک زنجیروں میں-

(3) غریب محنت کش مجبور تھا فاقہ کشی کی حالت میں زندگی بسر کرنے پر-

(4) بندھا ہوا تھا مذہبی پیشوائیت کے غضب ناک اور قہر آلود بندھنوں میں- درحقیقت نظام سرمایہ داری بھی پیدا کردہ تھا مذہب کا-

قرآن مجید نے کہا کائناتی قوتیں معبود نہیں- ان کو قوانین کی زنجیروں میں جکڑ لیا گیا ہے- مقام آدم یہ ہے کہ وہ ان قوتوں کو قانون فطرت کا علم حاصل کر کے مسخر کر سکتا ہے- **سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض** انسان چاہے تو وہ ان قوتوں کو مسخر کر کے اپنے فائدے کے لئے کام میں لائے- اس میں مومن و کافر کا بھی فرق نہیں- لیکن مومن ان فوائد کو قوانین خداوندی کے مطابق انسانیت کی نشوونما کے لئے صرف کرے گا اور کافر اپنی مفاد پرستیوں کے لئے- قرآن نے اس اعلان سے توہم پرستیوں کا خاتمہ کر دیا اور دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا- لیکن جو ان قوتوں کو مسخر ہی نہ کر سکے تو اسے مومن کا مقام تو کجا- مقام آدم بھی حاصل نہیں ہو سکتا-

قرآن مجید نے مزید اعلان کیا کہ **ولقد کرمنا بنی ادم** (سورہ بنی اسرائیل آیت 70)- یعنی "پیدائش کے اعتبار سے ہم نے انسانوں کو واجب تکریم پیدا کیا ہے"- یہ تکریم و شرف انسانیت کا تقاضا ہے- اس لئے کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محکوم نہیں اور نہ ہی کوئی فرد کسی دوسرے فرد کا محتاج ہو سکتا ہے- کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا کہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم یا تابع بنائے- جہاں تک مدارج کا تعلق ہے' ان کا مدار ذاتی جوہر' سیرت' کردار اور فرائض شناسی و حسن کارکردگی پر ہے- یہ میدان ہر ایک کے لئے کھلا ہے- نتیجتاً" غلامی کا خاتمہ کر دیا اور ملوکیت کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ دیا-

قرآن نے سرمایہ داری کا بھی خاتمہ کر دیا کہا کہ **وللہ میراث السموات والارض** (سورہ ال عمران آیت نمبر

ـش و سموات اللہ کی ملکیت ہے- ارض کے متعلق کہا
وجعلنا لکم فیھا معایش (سورہ الاعراف آیت 10)-
ے تمہارے لئے سامان معیشت رکھ دیا ہے **والارض و**
ضعھا للانام (سورہ الرحمٰن آیت نمبر10) اس نظام میں محنت
یب کو کرنی ہو گی **لیس للانسان الا ماسعی** (سورہ
آیت 39) معاوضہ محنت کا ہو گا (سرمایہ کا نہیں) ان
ت سے سرمایہ داری کی جڑ بھی کٹ گئی' استحصال کرنے
کا سوال نہیں اور نہ ہی کسی کے پاس فاضل دولت
(Surplus Money) جمع ہو سکتی ہے جو سرمایہ کاری کی بنیاد
ہے- قرآن نے کہا **یسئلونک ماذا ینفقون ـ قل العفو**
(2:219)- یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کس قدر دوسروں کو دے
دیں **قل العفو**- خلافت راشدہ کے بعد جب نظام حکومت بدلا
ے تو اس کا نقشہ کچھ اور ہو گیا یہ دین جو اسلامی نظام کا دوسرا
نام تھا' دو حصوں میں بٹ گیا- جب قرآنی نظام کی جگہ ملوکیت
آئی تو سیاسی امور ملوکیت نے اپنے اقتدار کے لئے اپنے پاس
رکھ لئے اور مذہبی امور علما کی تفویض میں دیدیئے- اس طرح
دین مذہب میں تبدیل ہو گیا' فرقے پیدا ہونے شروع ہو گئے-
مرکز نہ رہا- ہر فرقہ کی اتھارٹی الگ الگ تھی- Theocracy
وجود میں آگئی جس میں حکومت مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں
دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) "خدائی مشن" کو پورا
کریں- یہ حضرات اسلام کو بھی بحیثیت مذہب نافذ العمل چاہتے
ہیں- مذہب دین کے نظام کے بالکل برعکس ہے- مذہب خدا
اور بندے کے درمیان ایک پرائیویٹ تعلق کا نام ہے جسے
انسانی تمدنی' عمرانی' سیاسی' معاشی زندگی سے کچھ واسطہ نہیں-
انسان اس تعلق کو گرجوں میں' آتش کدوں یا مسجدوں یا اپنے
گھروں میں یا پہاڑ کی غاروں میں قائم کر سکتا ہے-

ایک وہ اسلام تھا جسے محمد الرسولؐ اللہ والذین معہٗ نے پیش
کیا تھا اور جس سے اقوام عالم کی امامت ہمارے حصے میں آگئی
تھی- اور ایک ہمارا آج کل کا اسلام ہے جس سے ہمارا شمار دنیا
کی پست ترین قوموں میں ہوتا ہے- آج ہمارے پاس خدا کی
زندہ و پائندہ کتاب جس میں وہ اسلام جس نے اس وقت ہمیں
وہ سرفرازیاں عطا کی تھیں' محفوظ ہے- دیکھنا یہ ہے کہ اسے
ایک نظام کی شکل میں متشکل کرنے کی سعادت کس کے
حصے میں آتی ہے-

ہندوستان میں' بیسویں صدی کے آغاز میں' انگریزوں سے
رستگاری حاصل کرنے کے لئے مختلف تحریکیں رونما ہوئیں-
ہندو نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے
"تحریک آزادی" کا آغاز کیا- مسلمان کیونکہ "طبعاً" جذباتی واقع
ہوا ہے- مشتعل مزاجی اس کی فطرت بن چکی ہے- ہندو
مسلمان کی اس رگ سے واقف تھے- مسلمانوں کو مذہب کے
نام پر اس میں الجھایا گیا- 1904ء سے 1930ء تک یہی کیفیت
رہی- مسلمانوں میں جو مذہب کے نام پر تحریکیں اٹھیں' ان کے
ساتھ نہ پلاننگ تھی نہ بساط سیاست' جذبات ہی جذبات تھے-
خالی جذبات کا جو اثر ہوتا ہے وہی حشر ان تحریکوں کا ہوا-
درحقیقت یہ تحریکیں تھی بلا مقصد- ایک سفر تھا جس کے سامنے
نہ کوئی نصب العین تھا نہ متعین منزل- نہ اس کا علم کہ یہ
جوش و خروش کس مقصد کے لئے تھا- علامہ اقبالؒ مرحوم کو
قدرت نے قرآنی بصیرت سے نوازا تھا- اس بندہ مومن نے
حالات کا قرآنی روشنی میں مطالعہ کیا اور امت کے امراض کا
علاج "احیاء اسلام" بتایا- اس نے کہا جو اسلام مسلمانوں کے
مختلف ممالک میں رائج چلا آرہا ہے وہ' وہ دین نہیں جو صدر
اول میں قائم ہوا تھا- یہ وہ مذہب ہے جو صدر اول کے بعد
دور ملوکیت میں وضع ہوا تھا- حقیقی دین وہی ہے جو حضورؐ اکرم
کی وساطت سے انسان کو عطا فرمایا گیا تھا اور جسے آپؐ نے عملاً
نافذ کر کے دکھایا تھا- علامہ مرحومؒ نے اس حقیقت کو بھی
محسوس کیا کہ مسلمان صدیوں سے جن سازشوں کا شکار ہوتا چلا
آرہا ہے- اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اس نظام کا احیاء کیا
جائے جو قرآن کی رو سے صدر اول میں قائم ہوا تھا اور جس
کے درخشندہ نتائج دیکھ کر ایک دنیا اس کے آغوش میں آگئی
تھی- انہوں نے یہ دیکھا کہ دنیا میں کوئی مسلمان مملکت اس

نظام کو اپنے ہاں قائم کرنے کے لئے تیار نہ ہو گی کیونکہ

__ مسلمان مملکتوں میں ملوکیت قائم تھی جسے دور حاضر کی اصطلاح میں سیکولر نظام کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اس نظام کی رو سے سیاسی اور تمدنی امور تو حکومت کے ہاتھ میں رہتے ہیں اور پرسنل لاز مذہبی پیشوائیت کو تفویض کئے جاتے ہیں۔ قرآنی نظام کے قیام سے ملوکیت کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

__ سیکولر نظام میں اقتدار کا ایک حصہ مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں رہتا ہے اور قرآنی نظام میں ان کا یہ اقتدار چھن جاتا ہے اور

__ جس میں مغرب کا جمہوری نظام اور سوشلزم دونوں شامل ہیں۔ اور نظام سرمایہ داری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

انہوں نے عمر بھر کے غور و تدبر کے بعد یہ سوچا کہ قرآنی نظام کے احیاء کی ایک صورت ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو کوئی خطہ زمین مل جائے جس میں پہلے سے کوئی نظام نہ ہو اور وہاں قرآنی نظام کا آغاز کر دیا جائے۔ اس لئے انہوں نے پاکستان کا تصور پیش کیا اور اس کی وضاحت اپنے 1930ء کے خطبے میں کر دی۔

اس صدی کی دوسری دہائی میں علامہ غلام احمد پرویزؒ علامہ اقبالؒ کے قریب آئے جنہوں نے اپنی بصیرت قرآنی سے شعور پرویز کو دین اسلام اور فہم قرآن کی بے مثل و لازوال جہتوں سے آشنا کیا۔ پرویز صاحب کو عربی علوم سیکھنے کے لئے حافظ محمد اسلم جیراج پوریؒ جو برصغیر پاک و ہند کے زبردست اسکالر تھے، کی خدمت میں بھیجا۔ ان کی رفاقت نے پرویزؒ کو بہت کچھ عطا کیا اور پرویز صاحبؒ ایک عالم دین و استاد کے مقام تک پہنچے۔ پرویز صاحب کا قائداعظمؒ کے ساتھ تعارف بھی علامہ اقبالؒ کے ذریعے سے ہوا۔

1938ء میں علامہ اقبالؒ کے مشورے اور قائداعظم کی ہدایت پر ماہنامہ طلوع اسلام جاری ہوا جو آج تک جاری ہے۔ اس وقت تحریک پاکستان چلائی جا رہی تھی۔ حضرت علامہ صاحب نے حصول پاکستان کا فریضہ قائداعظمؒ کے سپرد کر دیا تھا۔

علامہ اقبالؒ کی وفات کے بعد قائداعظمؒ تن تنہا لڑ رہے تھے۔ اس لڑائی کے تین محاذ تھے۔ ایک انگریز (برٹش گورنمنٹ) دو ہندو اور اس کے ہم نوا اور تیسرا مذہبی پیشوائیت جو اس مذہ کی داعی تھی جو ملوکیت کے زمانے میں انسانوں کو محکوم بنا اور ان سے آزادی چھیننے کے لئے وضع کیا گیا تھا کیونکہ ملوکیت آزادی دینا نہیں چاہتی تھی۔ علماء کا زبردست گروہ بھی مذہب کے نام پر حصول پاکستان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ ان علماء کی جماعت میں ایک تو نیشنلسٹ علماء کا گروہ تھا جو متحدہ قومیت کا حامی اور پاکستان کا دشمن تھا۔ یہ لوگ کھل کر مقابلہ کرتے تھے دوسرا گروہ وہ تھا جو ایک طرف متحدہ قومیت کے بھی مخالف تھے اور دوسری طرف تحریک پاکستان کے بھی خلاف۔

محترم ایم۔ ایچ اصفہانی اپنی کتاب "Quaid-e-Azam as I Knew him" میں 1936-37ء سندھ کے انتخابات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ :

"پارلیمینٹری بورڈ کی میٹنگ میں... اجلاس کے پہلے دن مفتی کفایت اللہ اور (مولانا) حسین احمد مدنی نے مسٹر جناح کی تائید کی اور ان کے اس اقدام کو خوش آمدید کہا کہ وہ مسلم لیگ کو زندہ تحریک رکھنے کے لئے میدان میں لے آئے ہیں لیکن اجلاس کے آخری دن ان بزرگوں میں سے ایک صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ انتخاب لڑنے کے لئے لیگ کو وسیع پیمانے پر پروپیگنڈہ کرنا پڑے گا۔ دیو بند اپنی پروپیگنڈہ مشینری کو لیگ کی تفویض میں دینے کے لئے آمادہ ہے بشرطیکہ اس کے جملہ اخراجات مسلم لیگ برداشت کرے۔ آغاز کار کے لئے انداز" پچاس ہزار کا مطالبہ کیا گیا۔ لیکن لیگ کے خزانے میں تو اس وقت پچاس پیسے بھی نہیں تھے۔ لیگ کا صدر اور سیکرٹری اعزازی طور پر خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ان مولانا صاحبان کو لیگ کی مالی پوزیشن کا اچھی طرح علم تھا۔ جناح صاحبؒ نے اس کی وضاحت کی تو مولانا حضرات مایوس ہو گئے اور لیگ سے نکل کر سیدھے کانگریس کی طرف چلے گئے اور اس کے حق میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا"۔

تحریک پاکستان کی سب سے زیادہ مخالفت ہمارے مذہب پرست طبقے سے ہوئی۔ مذہب کی اولیں کوشش یہ ہوتی ہے کہ مملکت کا پورا اقتدار مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں رہے اور حکمران طبقہ ان کے فیصلوں کو نافذ کرنے کی مشینری کا کام دے' اس انداز حکومت کو تھیاکریسی کہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو مذہبی پیشوائیت کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مملکت میں ایسا نظام قائم ہو جن میں امور سیاست حکومت کی تفویض میں رہیں اور مذہبی امور مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں۔ مذہب اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے ہر ایک سے مفاہمت کر سکتا ہے لہٰذا انہوں نے ہندو سے مفاہمت کر لی۔

دین لاشریک ہوتا ہے اس لئے وہ کسی سے مفاہمت نہیں کر سکتا۔ تحریک پاکستان دین کی بنیادوں پر اٹھی تھی اس لئے نہ ہندو سے مفاہمت کر سکتی تھی نہ مذہبی پیشوائیت سے۔ چنانچہ جب اس تحریک نے مذہبی پیشوائیت سے مفاہمت نہ کی تو اس نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ایک مختصر سا گروہ ایسا بھی تھا جو مذہب کے نام پر مملکت میں پورا اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا یعنی یہ طبقہ تھیاکریسی قائم کرنے کا متمنی تھا۔ متحدہ قومیت کے نظریہ کا مخالف ہونے کے باوجود تحریک پاکستان کا مخالف تھا۔ یہ طبقہ جماعت اسلامی کے نام سے معروف تھا۔

ایک دن قائداعظمؒ نے علامہ پرویزؒ کو بلایا اور کہنے لگے کہ انگریز اور ہندو سے تو میں نمٹ لوں گا۔ مذہبی پیشوائیت کا محاذ تم سنبھالو۔ یہاں سے طلوع اسلام تحریک کا آغاز ہوا۔ طلوع اسلام کے سامنے چار مقاصد رکھے گئے۔

1- دین کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اجاگر کیا جائے۔

2- مسلمانان ہند پر واضح کیا جائے کہ پاکستان کا قیام اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔

3- مذہبی پیشوائیت کی طرف سے بے بنیاد و گمراہ کن پروپیگنڈہ پاکستان اور بانی پاکستان کے خلاف کیا جا رہا تھا اس کا موثر اور مدلل جواب دیا جائے اور

4- قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے ماحول سازگار بنایا جائے۔

جو نیشنلسٹ علما اور دوسرے مذہب کی بنیاد پر تحریک پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے' ان کی مدافعت کی سعادت علامہ پرویزؒ کے حصے میں آئی۔ طلوع اسلام کا اجراء اس مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ان علماء حضرات کے ساتھ طلوع اسلام کا مسلسل ٹکراؤ رہا۔ مذہبی طبقہ کی اس قدر مخالفت کے باوجود پاکستان وجود میں آگیا۔ طلوع اسلام کو کامیابی ہوئی اور ان علماء حضرات کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ پاکستان بن جانے کے بعد یہ مخالفین پاکستان آگئے اور وہی کشمکش جاری ہے۔ اس طبقے کی کوشش یہ ہے کہ یہاں قرآن کی حکمرانی قائم نہ ہونے پائے۔ اولاً" یہاں مذہبی تھیاکریسی قائم ہو جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس انداز کی سیکولر حکومت قائم ہو جائے جس میں پبلک لاز حکومت کے ہاتھ میں رہیں اور پرسنل لاز مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں۔ یہ جو ملک میں اسلامی نظام' اسلامی قوانین' اسلامی شریعت وغیرہ کے چرچے سن رہے ہیں اس سے درحقیقت مراد کسی فقہ کا اجراء ہے۔ مذہبی پیشوائیت کی یہ کوشش رہی ہے کہ پاکستان میں مذہبی حکومت قائم ہو جائے۔ اس لئے ان کی طلوع اسلام کے ساتھ کشمکش نئے انداز سے شروع ہوئی۔

طلوع اسلام کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ پھر سے اسی طرح قرآنی خطوط پر متشکل کر دیا جائے جس طرح یہ نبی اکرمؐ کے عہد مبارک و ہمایوں میں متشکل تھا۔ یہ ایک عظیم مقصد ہے۔ لیکن چونکہ قرآنی معاشرہ میں مذہبی پیشوائیت کی کوئی جگہ نہیں ہوتی چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اس عہد مبارک میں مولوی کا کہیں نام تک دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے مولوی صاحبان کی طرف سے ہر اس تحریک کی مخالفت ہوتی ہے جو مسلمان کو قرآن کی دعوت دے۔ یہ حضرات طلوع اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی دلائل کا جواب تو دے نہیں سکتے' اس لئے انہوں نے طلوع اسلام کے خلاف وہی حربہ استعمال کیا ہے جو یہ اپنے مخالفین کے لئے کرتے آئے ہیں کفر کا فتویٰ اور جھوٹا پروپیگنڈہ۔ انہوں نے مشہور کر دیا کہ طلوع اسلام منکر

حدیث ہے، منکر سنت ہے وغیرہ وغیرہ اور اس طرح عوام کے جذبات کو مشتعل کر کے گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ انہیں خطرہ ہے اگر طلوع اسلام کی وساطت سے قرآنی معاشرہ قائم ہو گیا تو ان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ ہماری بدبختی کہ علماء کرام' کا وہی گروہ جو پہلے حصول پاکستان کی مخالفت کرتا تھا' یہاں پہنچ کر قرآنی معاشرہ کے خلاف کمربستہ ہو گیا۔ ان کے پروپیگنڈہ کا واحد مقصد یہ ہے کہ ان کی مرضی کا نظام شریعت قائم ہو جائے تاکہ ان کی اقتدار کی کرسیاں انہی کے قبضے میں رہ جائیں۔

دین خالص کی طرف بلانے والی آواز کیونکہ طلوع اسلام کی طرف سے اٹھ رہی ہے اس لئے مذہبی پیشوائیت کی ساری مخالفت کا رخ طلوع اسلام کی سمت ہے۔ پاکستان اس لئے وجود میں آیا تھا کہ پاکستان میں پھر سے وہی نقشہ قائم ہو جائے جو عہد محمدؐ رسول اللہ والذین معہٗ میں تھا۔ یعنی خلافت علیٰ منہاج نبوت۔ لیکن ہماری مذہبی پیشوائیت سے یہ تصور اوجھل ہو چکا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ ان کے ذہن میں "اسلام کیا ہے" اور "مسلم کون ہے" کا بھی متعین تصور نہیں۔ (دیکھئے "تحقیقاتی عدالت مقرر کردہ برائے تحقیقات فسادات پنجاب 1953ء"۔ لیکن یہ حضرات عوام کے جذبات اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے برافروختہ کرتے ہیں۔ قدیم تصورات حیات اور نظامہائے زندگی کا دور ختم ہو رہا ہے۔ لا کی طوفانی قوتیں بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں اگر الا اللہ اس وقت سامنے نہ لایا گیا تو انہیں' اس کے بعد ان کے مقام سے ہٹانے یا الا اللہ تک لانے میں نہ معلوم کتنا وقت لگ جائے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ان حضرات کے جھوٹے پروپیگنڈہ کے باوجود طلوع اسلام اپنی کوششوں کو تیز سے تیز تر کر دے۔

چاہے جتنی بھی غلط فہمیاں پیدا کی جائیں آخرالامر اللہ تعالیٰ نے جو نظام زندگی نوع انسان کے لئے متعین کیا ہے وہ انسانوں کے خود ساختہ تمام نظامہائے حیات پر غالب آجائے گا **"ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ ولو کرہ المشرکون** (9:33)۔ یعنی اللہ نے اپنے رسول کو ضابطہ حیات' دین حق' دے کر بھیجا اس لئے ہے کہ یہ تمام نظامہائے عالم پر غالب آئے' خواہ یہ بات ان لوگوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔ جو خدا کے ساتھ اوروں کو بھی شریک حکومت کرنا چاہتے ہیں (48:28)۔ لیکن ہمیں ڈرنا چاہئے اس دن سے جس دن رسول اللہ ﷺ خدا سے فریاد کریں گے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کو چھوڑا نہیں تھا' سینوں سے لگا رکھا تھا' لیکن قرآن کریم کو اپنے خود ساختہ اعتقادات' خیالات' رسومات و تفاسیر وغیرہ کی رسیوں سے جکڑ کر **مھجور** بنا رکھا تھا۔ وہ قرآن کے تابع نہیں تھے بلکہ قرآن کریم ان کے تابع تھا۔ یہ ہے مطلب قرآن کریم کے **مھجور** بنانے کا۔ قرآن کریم میں ہے **قال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا**۔ اور رسولؐ خدا کے حضور میں کہے گا کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کریم کو مہجور بنا دیا (25:30)۔ خدا ہمیں توفیق ارزانی فرمائے کہ ہمارا شمار اس قوم کے بندوں میں سے نہ ہو۔

سانحہ ارتحال

ماہنامہ "حکایت" لاہور کے مدیر شہیر محترم عنایت اللہ صاحب 16 نومبر کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم ایک سچے پاکستانی' بے باک صحافی اور ادیب تھے۔ حق تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں مقام بلند عطا فرمائے۔

ادارہ طلوع اسلام مرحوم کے اعزہ و اقرباء کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

سلسبیل - ایک معرکہ آراء تصنیف

قرآنی فکر کا چشمۂ رواں۔ فرقانی بصیرت کی جوئے شیر
قرآنِ کریم کی حیات بخش تعلیم۔ علامہ پرویزؒ کا حسین انداز بیان

فہرست عنوانات حسب ذیل ہے

عبادت	قرآن کے باطنی معانی
نظریہ ارتقاء اور قرآن	اسلام کیا ہے؟
نجات	اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
ثواب	دینِ خداوندی کے دشمن
زکوٰۃ	انسان
میثاقِ خداوندی	شرک
مملکت کا قرآنی تصور	ایک نورانی صبح
لاہور کا ایک علمی مذاکرہ	وہ مردِ درویش
انسان اور خارجی کائنات	لارڈ برٹرنڈ رسل سے ایک ملاقات
اُردو میں نماز	پروفیسر ٹوئن بی سے چھ سوالات

قیمت (علاوہ ڈاک، پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن =/220 روپے
سٹوڈنٹ ایڈیشن =/110 روپے

مینیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر شبیر احمد (فلوریڈا)

ہمارے قائداعظم

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی میں دو صدیوں سے اندھیرا تھا' اسی بے نوری پر خدا جانے کتنی آنکھیں روتی آئی تھیں۔ اجڑتے ہوئے چمن میں پھر ایک ایسا دیدہ ور پیدا ہوا جس کی مثال تاریخ میں ڈھونڈنا محال ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح بڑے آدمی نہیں تھے' وہ نہایت عظیم انسان تھے اور بڑے ہی نایاب لیڈر تھے۔ ان کی حقیقی عظمت کو دنیا نے کم ہی پہچانا ہے کیونکہ ہم پسماندہ اور ترقی "پذیر" قوم ہیں۔ قوم بے وقعت' بے وقار ہو تو اس کے لیڈر کی عظمت گہنائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ بڑا آدمی کسی کے سلام کا جواب ذرا مسکرا کر دے دے تو اس کے حسن اخلاق پر واہ وا ہو جاتی ہے۔ چھوٹا آدمی خدمت کرنے میں اپنی جان وقف کر دے تو اسے "شاباش! ویل ڈن" کہہ کر ٹرخا دیتے ہیں۔

زندہ' ترقی یافتہ قوم اپنے لیڈروں کی ذرا سی غیر معمولی کارفرمائی کو چمکا کر اسے سورج بنا دیتی ہے۔ ابراہیم لنکن کی مثال دیکھئے۔ اس میں عظمت کی کچھ علامات تو تھیں لیکن اس کی سوانح عمری پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اتنا غیر معمولی اور عظیم آدمی نہیں تھا جتنا عظیم بنا کر اسے امریکی تاریخ پیش کرتی ہے۔

ذرا سی بات تھی اندیشہ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کیلئے

گاؤں کے پٹواری کی گائے مر گئی۔ گاؤں کے افراد بڑی تعداد میں اظہار افسوس کیلئے حاضر ہو گئے۔ کچھ دن بعد پٹواری مر گیا' ایک شخص بھی تعزیت کیلئے نہ پہنچا کیونکہ اسی دن زمیندار کی گھوڑی فوت ہو گئی تھی!

زوال پذیر قوم کے عظیم لیڈروں کی عظمت کو غیر کیا جانیں' وہ قوم انہیں خود بھی ٹھیک سے نہیں پہچانتی۔ وہ ان کے کردار پر کیچڑ اچھلتا دیکھے تو ایک آدھ چھینٹا خود بھی اچھال دیتی ہے تاکہ لوگ اسے صاحب علم سمجھیں اور ناوابستہ' انصاف پسند کہیں' پٹواری مرجاتا ہے تو اسے تیلی کا بیٹا کہہ کر بات ختم کر دی جاتی ہے اور زمیندار کی گھوڑی مرتی ہے تو اسے ترکی نسل کی سند عطا کر دی جاتی ہے اور یہ کہ وہ گھوڑی تو دوڑ میں ہرن کو پیچھے چھوڑ جاتی تھی!

صاحبو! قائداعظم محمد علی جناح درحقیقت صرف مسلمانان برصغیر کے نہیں پوری ملت اسلام کیلئے مثالی رہنما تھے۔ وہ علامہ اقبال کے شاہین ہی نہیں قرآن حکیم کے مرد مومن بھی تھے اور قومی امین لیڈر بھی! ان کے پائے کا لیڈر مغرب میں پیدا ہوا ہوتا تو جارج واشنگٹن سے زیادہ محترم اور نامور ہوتا!

1874ء کی بات ہے' گجرات (ہندوستان) کے رہنے والے پونجا بھائی کے بیٹے جناح بھائی کی شادی مٹھی بائی سے ہو گئی۔ انتہائی ذہین اور جفاکش جناح بھائی اور بہت سلیقہ مند مٹھی بائی کراچی آکر کھارادر کی ایک بلڈنگ میں کرائے کے فلیٹ میں رہ رہے تھے۔ 25 دسمبر 1874ء کو ان کے یہاں ایک نحیف سا بچہ پیدا ہوا۔ بچے کی زندگی کی ابتدا ہی شاندار ہوئی' اس کا نام

...س رکھ دیا گیا۔

یہ بچہ آٹھ نو برس کی عمر میں اپنے محلے کے بچوں کی ...رٹ ٹیم کا کیپٹن بن گیا۔ بچے ہر شعبے میں اسے اپنا لیڈر مانتے تھے۔ بارہ برس کی عمر میں دھان پان سا محمد علی اپنے والد کی ...جیوں اور گھوڑوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ماہر شہسوار بن چکا تھ۔ اسے گھوڑے اس لئے اچھے لگتے تھے کہ وہ سر اٹھا کر اور سینہ تان کر چلتے تھے۔

1892ء میں یہ بچہ 16 برس کا ہوا تو والدین نے 14 سالہ ...ی بائی سے اس کی شادی رچا دی۔ قائداعظم کی زندگی کا یہ ...یک ہی فیصلہ ہے جو ان کے لئے کسی اور نے کیا!

آنے والی نصف صدی میں محمد علی جناح نہ صرف قائداعظم بن چکے تھے بلکہ امریکی مصنف اسٹینلے وولپرٹ کے بقول تاریخ کے واحد لیڈر جنہوں نے تاریخ بھی بدل ڈالی، جغرافیہ بھی اور ایک قوم کی بنیاد بھی رکھی!

کھارادر کے اس فلیٹ سے عظمت کی بلندیوں کا سفر اتنا درخشاں ہے کہ اس کا جائزہ لیتے ہوئے عقل کی آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔

نوجوانی کے آغاز میں ہی ماں باپ کی گوہر شناس نگاہوں نے محمد علی کو لندن بھیج دیا۔ وہ شخص جسے اپنوں نے بھی مغرب زدہ سمجھا نوجوانی میں لندن کی یونیورسٹی "لنکن ان" کا انتخاب محض اس لئے کر گیا کہ وہاں دنیا کے مشہور قانون سازوں کی فہرست میں آقائے نامدار محمد ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا پایا تھا۔

نہ مشرقی تھا نہ مغربی تھا
میں شاہِ یثرب کا لشکری تھا

...نکن ان سے تعلیم پا کر یہ نوجوان اس پائے کا وکیل بنا کہ پوری ...رطانوی سلطنت میں اس معیار کا بیرسٹر موجود نہیں تھا۔ یہ بات ...گریزوں نے کہی اور اس دور میں کہی جب برطانیہ عظمیٰ کی ...لطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔

مغرب کا اعلیٰ تعلیم یافتہ محمد علی جناح 1940ء میں ایک ...عام سے خطاب کرتے ہوئے سنا گیا "لوگو! تم مجھ سے محبت کیوں کرتے ہو؟ میری بات کیوں مانتے ہو؟ مجمع ہمہ تن گوش تھا۔ پھر خود فرمایا "لوگو! بات یہ ہے کہ تمہارے دلوں کی آواز ہوں میں"

دلوں کی آواز ایسی کہ ایک جلسے میں قائداعظم تقریر کر رہے تھے تقریر انگریزی میں تھی۔ ایک تانگے والا جی ہاں! جی ہاں! کے انداز میں سر ہلائے جاتا تھا کسی نے پوچھا "کیا تو انگریزی سمجھتا ہے؟"

تانگے والا بولا "نہیں! لیکن یہ جانتا ہوں کہ یہ شخص جو کہہ رہا ہے ٹھیک کہہ رہا ہے"

مجمع کو مسحور کر دیتی تھی قائداعظم کی آواز! "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" کی ایک شاندار مثال دیکھئے۔ لاکھوں کا مجمع تھا۔ برصغیر کے عظیم ترین لیڈر اسٹیج پر موجود تھے لیکن مجمع کسی طرح خاموش نہ ہوتا تھا کہ جلسے کی کارروائی شروع کی جا سکے۔ یکایک قائداعظم کھڑے ہوئے دایاں ہاتھ ہوا میں بلند کر کے صرف ایک لفظ کہا Silence (خاموش)۔ مجمع پر سکوت طاری ہو گیا۔ قائداعظم جو بات کہتے مختصر دو ٹوک صاف کھری اور واضح، قرآن حکیم کے "قول سدید" کی مثال۔

عزم آہن کا اظہار دیکھئے "پاکستان کی حفاظت کے لئے ہم اس وقت تک لڑیں گے جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرہ عرب میں نہ پھینک دیں۔ ضرورت پڑی تو میں تنہا لڑوں گا اور اس وقت تک لڑوں گا جب تک میرے جسم میں خون کا ...یک قطرہ بھی باقی ہے"۔

فرض شناسی ایسی کہ بمبئی میں رات گئے کام کرتے دیکھ کر ایک صحافی نے پوچھا "ہندو لیڈر تو سب سو رہے ہیں اور آپ؟ فرمایا ان کی قوم جاگ رہی ہے اس لئے وہ سو رہے ہیں، میری قوم سو رہی ہے اس لئے میں جاگ رہا ہوں"

حاضر جوابی ملاحظہ فرمایئے۔ ایک انگریزی لارڈ صاحب بولے "اگر پاکستان ہندوستان کے ماتحت رہے تو وہ زیادہ مضبوط اور خوشحال ملک ہو گا" فرمایا "کیا آپ ایسا مضبوط اور خوشحال انگلستان قبول کریں گے جو جرمنی کا غلام ہو؟"

اب دیکھئے علامہ اقبال کے ایک شعر کی تصویر مجسم:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

برطانیہ کے دبدبے والے وزیراعظم رمزی میکڈونلڈ نے 1935ء میں انگریزوں کیلئے ہندوستان میں کچھ سیاسی رعایتیں حاصل کرنے کیلئے قائداعظم کو لارڈ کے خطاب اور صوبائی گورنری پیش کی۔ قائداعظم بغیر کچھ سنے یہ کہہ کر اٹھ آئے "آپ مجھے قابل خرید سمجھتے ہیں' میں آپ سے کبھی نہیں ملوں گا"

یہی فولادی شخصیت 1947ء میں عیدالفطر کے موقع پر کراچی کی عید گاہ میں عوام کے درمیان بغیر کسی پروٹوکول کے موجود پائی گئی۔

فرقہ واریت سے اتنا دور کہ پوچھا گیا "مسٹر جناح! آپ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟" فرمایا "پہلے مجھے یہ بتایئے کہ نبی کریم ﷺ نے کس فرقے کا پرچار کیا تھا اور صحابہ کرام کس فرقے سے تعلق رکھتے تھے؟"

بے لچک فیصلے اور جمہوری مزاج کا حسین امتزاج دیکھنا ہو تو غور فرمایئے کہ ایک ملاقات میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن قائداعظم سے فوری فیصلے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ قائداعظم فرماتے ہیں کہ وہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ سے مشورہ کئے بغیر اس معاملے پر کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ وائسرائے دھمکی دیتا ہے "Now or Never" (ابھی' یا کبھی نہیں!)۔ قائداعظم فرماتے ہیں "وہی ہو گا جو ہونا چاہئے' آپ مجھے توڑ سکتے ہیں' جھکا نہیں سکتے!"

قوت ارادی ایسی کہ 70 برس کے ضعیف اور نحیف جسم پر رفیق خاکسار خنجر سے حملہ آور ہوتا ہے۔ قائداعظم ذرا ہراساں نہیں ہوتے' ڈرائیور اور چوکیدار حیرت زدہ حملہ آور کو اطمینان سے پکڑ لیتے ہیں اور قائداعظم اسے معاف کر دیتے ہیں!

1945ء میں دہلی میں فرماتے ہیں "کاش! میرے خوابوں کی تعبیر پاکستان مجھے زندگی میں مل جائے!" وہاں موجود ایک سکالر کہتے ہیں کہ قرآن حکیم میں تو نبی کریم ﷺ سے بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے یہ انقلاب آپ ﷺ کی زندگی میں آجائے اور ممکن ہے آپ ﷺ کے بعد' یہ سنتے ہی "مغرب زدہ" جناح کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی پر کسی نے اعتراض کیا کہ وہ ایک ایسے شخص کی حمایت کر رہے ہیں جو سوٹ اور ٹائی پہنتا ہے اور (Craven-A) سگریٹ پیتا ہے!" مولانا نے جواب دیا "جب تم اپنے علاج کیلئے ڈاکٹر یا مقدمے کی پیروی کیلئے وکیل ڈھونڈتے ہو تو ان کی قابلیت کے بارے میں سوچتے ہو یا ان کے لباس کی تحقیق میں پڑتے ہو؟"

صاحبو! ایک ایسا شخص جو اپنے عظیم مشن کی تکمیل کیلئے ایک جہان سے نبرد آزما ہو گیا۔ ایک چومکھی جنگ اس نے لڑی اور اس میں سرخرو ہو گیا۔ ایک ایسا کھرا انسان جس کی سچائی' دیانتداری' قابلیت' کردار' جرات' ذہانت اور بیباکی کی قسمیں غیر بھی کھاتے ہیں۔ ایک ایسا عظیم انسان جو "لنکن ان" سے لیکر لحد تک قرآن حکیم کو ابدی رہنمائی قرار دیتا رہا' جس نے زندگی بھر آقائے نامدار ﷺ کے اسوہ حسنہ کو انسانیت کیلئے مشعل راہ قرار دیا' وہ غیر معمولی فرد جس کے بے داغ کردار پر کٹر ترین دشمن بھی ایک چھینٹا نہ اچھال سکے' یقیناً وہ دیدہ ور تھا جسے چشم فلک کبھی کبھار ہی دیکھتی ہے۔

صاحبو! ذرا یہ بھی سوچتے چلئے کہ قائداعظم محمد علی جناح وہ عظیم ہستی تھے جنہوں نے اس دنیا کو 1400 برس بعد یہ نادر موقع فراہم کیا کہ وہ ایک خطہ زمین پر **نظام خداوندی** کے نفاذ کی برکتوں کا عملی تجربہ کر کے دیکھ لے۔

اس عظیم ہستی کو اس سے بہتر خطاب کیا دیا جا سکتا تھا؟ "قائداعظم"۔

کارواں تو رواں رہے گا مگر
ہائے وہ میر کارواں نہ رہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق

اقوال زریں

آج، ہمارے کل کی تشکیل کرتا ہے۔ جو کچھ انسان بنا ہوا ہے اس کے مطابق اس کا مستقبل مرتب ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

سوچنے سمجھنے سے کام نہ لینا کفر ہے۔

☆ ☆ ☆

جس قسم کا انسان بن جاتا ہے اس قسم کا خدا کا قانون اس پر لاگو ہو جاتا ہے۔ خدا کا قانون انسان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

☆ ☆ ☆

اپنے اعمال کے نتائج کے طور پر، سامان زیست سے فائدہ حاصل ہونے سے رک جانا عذاب ہے۔

☆ ☆ ☆

نیک نیتی سے بھی کیا ہوا برا کام انسان کو اس کام کے انجام سے نہیں بچا سکتا۔

☆ ☆ ☆

کسی شے میں، جو کچھ بن جانے کے امکانات ہوں، اسے آہستہ آہستہ نشوونما دے کر وہ کچھ بنا دینا "ربوبیت" ہے۔ تخلیق کا تسلسل "ربوبیت" کی علامت ہے۔

☆ ☆ ☆

قانون خداوندی کے مطابق، زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے بچ کر چلنا تقویٰ ہے۔

☆ ☆ ☆

قوانین فطرت کا تعلق، طبعی زندگی سے ہے۔ ان کے نتائج طبعی طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کا تعلق مومن اور کافر پر یکساں ہوتا ہے۔ فطرت کی قوتوں کے ماحصل کو استعمال کرنے سے کافر اور مومن کا فرق پڑتا ہے۔

☆ ☆ ☆

دنیا کے تمام اسباب و ذرائع میں "تعمیر اور تخریب کی قوتیں ملی ہوئی ہیں۔ صحیح عقل و فکر کا کام یہ ہے کہ ان میں سے تعمیری اجزاء کو الگ کر دے اور تخریبی اجزاء کو الگ کر کے ان سے حفاظت کا سامان پیدا کر لے۔

☆ ☆ ☆

غلط نظام کے اندر، جتنی خرابیاں سامنے ہوتی ہیں، وہ اس غلط نظام کے مختلف مظاہر (Manifestations) ہوتے ہیں۔ اصلاح ان مظاہر کی نہیں بلکہ اس نظام کی کرنی ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆

زندگی کے حصے بخرے نہیں ہو سکتے۔ جو انسان ایک گوشے میں اچھا ہے مگر دوسرے میں اچھا نہیں تو وہ انسان اچھا نہیں ہے۔ اس میں یہ "ایک اتنی سی چیز اچھی ہے"۔ اسی طرح نظام کے بھی حصے بخرے نہیں ہو سکتے۔

☆ ☆ ☆

بنیادی صداقتوں سے انکار کرنے والے کی ذہنیت صرف عیوب ڈھونڈتی ہے۔

☆ ☆ ☆

فردوس گم گشتہ

علامہ پرویزؒ کے ان انقلاب آفریں مضامین کا مجموعہ، جنھوں نے قوم کے نوجوان طبقہ کے دل میں عقابی روح کو بیدار کر دیا۔

☆ مضامین کی فہرست ☆

1۔ دنیا کی نجات
2۔ جنگ
3۔ فردوس گم گشتہ
4۔ ایمان بلا عمل
5۔ اسلام اور سائنس
6۔ خدا کی بادشاہت
7۔ اسلام اور مذہبی رواداری
8۔ تمسک بالکتاب
9۔ کیا تمام مذاہب یکساں ہیں ؟
10۔ وراثت
11۔ قرآن اور تاریخ
12۔ مسلمان کی زندگی
13۔ یہ زمین کس کی ہے؟
14۔ قرآن کا معاشی نظام
15۔ اپنی آنکھ اور قرآن کی روشنی
16۔ نسخہ اور اس کا استعمال
17۔ خدا اور قیصر

اعلیٰ ایڈیشن =/220 روپے
سوفٹ ایڈیشن =/110 روپے

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

اسلامی قانون کی اصل وبنیاد کیا ہے؟

جولائی ۱۹۶۰ء میں 'مغربی پنجاب ہائی کورٹ کے فاضل جج' جسٹس محمد شفیع صاحب نے ایک اپیل کا فیصلہ صادر فرمایا جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے ارباب فکر و نظر کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے اپیل تو دو نابالغان کے حق ولایت سے متعلق تھی لیکن فاضل جج نے اس ضمن میں اس اہم نکتہ سے بحث کی ہے کہ اسلامی قانون کسے کہتے ہیں اور اس کی اصل وبنیاد کیا ہے؟ بالفاظ دیگر اسلام میں قانون کی آخری سند کیا ہو سکتی ہے۔

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس اہم فیصلہ کا اردو ترجمہ شائع کرتے ہیں۔ اس میں سے وہ حصے حذف کر دیئے گئے ہیں' جن کا 'ہمارے نزدیک نکتہ زیر نظر سے براہ راست تعلق نہیں۔

جو حضرات اس فیصلہ کو بطور قانونی سند لینا چاہیں وہ اصل (انگریزی) فیصلہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ یہ ترجمہ اصل کا بدل نہیں ہو سکتا۔ واضح رہے یہ ترجمہ پہلی بار مغربی پاکستان ہائی کورٹ کی اجازت سے مارچ ۱۹۶۱ء میں ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع ہوا تھا۔

2۔ ۱۹۸۰ء میں پاکستان کی سپریم کورٹ نے فیصلہ صادر فرمایا جس کا تعلق اسلام میں قانون سازی کے اصول سے ہے۔ یہ فیصلہ بھی نہایت اہم ہے اس لئے مذکورہ بالا فیصلے کے بعد اس کا اقتباس اختصاراً آخر میں درج کیا گیا ہے۔

(ادارہ طلوع اسلام)

LD 1960 1142

باجلاس جسٹس محمد شفیع صاحب

مساۃ رشیدہ بیگم ــــــــــــ مرافعہ گزار

بنام

شہاب الدین وغیرہ ــــــــــــ مرافع علیہم

اپیل اولی اخلاف آرڈر کیس نمبر (۲۵) بابت ۱۹۵۷ء فیصلہ مصدرہ بتاریخ ۲۱ جولائی ۱۹۶۰ء

ــــــــ☆☆☆ــــــــ

فیصلہ

روئداد مقدمہ:- ایک شخص مسمی عمر دین ساکن تولیکی تحصیل و ضلع گوجرانوالہ ۱۹۵۱ء میں فوت ہو گیا۔ اس نے ایک بیوہ مساۃ رشیدہ بیگم جس کو مثل میں بعض مقامات پر رشیدہ بی بی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور دو نابالغ لڑکیاں سکینہ بی بی متولدہ ۳۱ اکتوبر ۴۵ء اور آمنہ بی بی متولدہ ۱۸ ستمبر ۴۸ء وارث چھوڑے۔ اس کی جائیداد مالیتی دس ہزار روپیہ بہ شکل اراضی متروکہ رہی۔ عمر دین کی بیوہ رشیدہ بیگم نے ۱۹۵۶ء میں ایک شخص مسمی امام دین سے عقد ثانی کر لیا............... یہ مسلمہ ہے کہ نابالغ لڑکیوں کی امام دین سے چہ جائیکہ وہ محرم ہو، کوئی رشتہ داری ہی نہیں ہے۔ متذکرہ صدر عمر دین کے برادر حقیقی شہاب دین نے ۲۵ اگست ۵۶ء کو عدالت میں درخواست دی کہ اسے ہر دو نابالغان کی ذات و جائیداد کا ولی مقرر کیا جائے۔ مساۃ رشیدہ بیگم نے اس درخواست کی اس بناء پر مخالفت کی کہ شہاب دین نابالغوں کے مقابلہ میں حق مخالفانہ رکھتا ہے۔ نیز یہ کہ خود نابالغوں کا مفاد اس میں ہے کہ ان کی ذات و جائیداد کو بدستور ماں کی تحویل میں رہنے دیا جائے۔ فاضل حاکم عدالت ولایت، گوجرانوالہ، نے ۷ اپریل ۱۹۵۷ء کو شہاب دین کی درخواست کی منظوری کا حکم اس شرط کے ساتھ صادر فرمایا کہ دس ہزار روپیہ کا مچلکہ اور ضمانت داخل کرے اور یہ بھی تجویز کی کہ ۲۸ مئی ۱۹۵۷ء تک نابالغان کو شہاب دین کے حوالے کر دیا جائے۔ نابالغان کی والدہ نے اس حکم کے خلاف اپیل دائر کی ہے۔

۲۔ شہاب دین کے پاس نابالغوں کی تحویل کے حکم کو جسٹس مسٹر کیکاؤس اور جسٹس مسٹر اخلاق حسین نے اپنے حکم مورخہ ۲۴ مئی ۵۷ء کے ذریعہ ملتوی فرما دیا۔ اس طرح نابالغ بچے اب تک ماں کے پاس ہی ہیں۔

۳۔ میرے سامنے یہ بحث کی گئی ہے کہ ماں نے اپنے بچوں کی حضانت کے حق کو ایک ایسے شخص سے عقد ثانی کر کے زائل کر دیا ہے جو نابالغوں کے

محرموں میں سے نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواہ نابالغوں کی اس میں سود بہبود ہی کیوں نہ متصور ہو' ماں اپنے بچوں کو اپنی تحویل میں رکھنے کی مستحق نہیں رہی۔ ان مباحث کی بنیاد دفعہ (۱۷) قانون ولایت (Guardians and Wards Act) پر ہے جس کا متعلقہ فقرہ اس طرح ہے:۔

کسی نابالغ کے ولی کے تقرر یا استقرار حق حصانت کی منظوری کے وقت عدالت کو'
دفعہ ہٰذا کی شرائط کے تابع، اور اس (شخصی) قانون کے مطابق جو نابالغ سے متعلق ہے
اس بات کا دھیان میں رکھنا ضروری ہے کہ نابالغ کی سود و بہبود کس انتظام میں ہے

(اس کے بعد فاضل جج نے قانون ولایت کی دفعہ (۱۷) اور دفعہ (۷) کے متعلق قانونی بحث کی ہے)

فقہی قواعد:۔ ۶۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ تقرر ولی کی ضرورت تھی اور دفعہ (۱۷) قانون ولایت صورت حال سے متعلق ہے تو ایک اہم مسئلہ تصفیہ طلب ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ وہ کونسا قانون ہے جس کے مطابق نابالغوں کے معاملات کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ تو بالکل صحیح ہے کہ نابالغ اور ان کے والدین مسلمان ہونے کی حیثیت سے شرع شریف یعنی اسلامی قانون کے تابع ہیں لیکن کسی نابالغ کی ولایت کے مسئلہ کا تصفیہ کس قانون کے تحت کیا جانا چاہیے۔ اس کا جواب اتنا آسان نہیں۔ تقریباً تمام کتب فقہ میں جن میں سے بعض بہت مشہور و ممتاز ترین مقننوں' وکیلوں اور ججوں کی تصنیف کردہ ہیں اور جن کا میرے دل میں بہت احترام ہے' چند قواعد مرتب کئے گئے ہیں جن کے تابع ایک عرصہ دراز سے ہندوستان اور پاکستان کے نابالغ مسلمانوں کی ذات اور جائداد سے متعلق امور کا فیصلہ کیا جا رہا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کی تمام عدالتوں نے بشمول پریوی کونسل غیر منقسمہ ہندوستان میں برطانوی تسلط کے آغاز سے لے کر اب تک ان قواعد کی نہایت شدت کے ساتھ پابندی کی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ برطانیہ کے ہندوستان کو فتح کرنے سے پہلے بھی قضاۃ اور مفتیین ان ہی قواعد پر عمل کرتے رہے ہوں اور بعد میں یہ سلسلہ اس لیے قائم رہ گیا ہو کہ مسلمان مفتیین نہیں چاہتے تھے کہ برطانوی یا دوسرے غیر مسلم اصحاب قرآن کریم کی تعبیر کریں اور اپنے مفید مطلب قانون مرتب کرنے لگ جائیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کو جو تمام مسائل فقہی میں اتنی اہمیت حاصل ہو گئی ہے اس سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے لیکن اب صورت حال بالکل بدل گئی ہے۔

(اس کے بعد فاضل جج نے یہ بتایا کہ فقہ حنفی وغیرہ میں نابالغان کی ولایت کے متعلق کیا قوانین ہیں)۔

ان قوانین کی حیثیت:۔ ۷۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ آیا ہوں کہ اہم امر تصفیہ طلب یہ ہے کہ آیا کسی تیقن کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قواعد قانون شرعی ہیں اور ان کی اسی طرح تعمیل اور پابندی ہونی چاہیے جس طرح مقننہ کے منظور کئے ہوئے قانون کی ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر آیا یہ قواعد ایسے ہیں جنہیں وہ قانون کہا جا سکتا ہے جو دفعہ (۱۷) قانون ولایت کے مفہوم میں مسلمان نابالغین پر منطبق ہوتا ہے۔

۸۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق' خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو' وہ قانون جو تمام معاملات میں اس کے لیے واجب الاتباع ہوتا ہے' خواہ وہ معاملات مذہب سے متعلق ہوں یا گرد و پیش کی دنیا سے خواہ وہ سیاسی امور ہوں یا معاشرتی اور معاشی' صرف وہ ہے جو خدائے بزرگ و برتر کی وحی کی بنا پر قائم ہو' اس لیے کہ وہی شہنشاہ ذوالجلال ہے۔

اسلام میں قانون سازی کا حق:۔ وہ اعلیٰ ترین ہستی جو علیم و خبیر ہے اور لاانتہا قوت و اقتدار کی مالک۔ اسلام میں خدا اور بندہ کا تعلق بنا

واسطہ اور سیدھا سادہ ہے۔ کوئی پروہت، کوئی امام، کوئی پیر یا کوئی اور ہستی خواہ کسی نوع انسانی کی ہو (مردہ یا زندہ قبر کے اندر یا قبر کے باہر) اس تعلق میں مداخلت نہیں کر سکتی (خدا اور بندے کے درمیان واسطہ نہیں بن سکتی)۔ ہمارے ہاں ایسے مذہبی پیشواؤں کا کوئی ادارہ نہیں جو اپنے من مانے عقائد دوسروں سے اپنی بددعا کی دھمکی اور عتاب خداوندی کے ڈراوے سے اس طرح منوالیں گویا کہ اس عتاب کا لے آنا ان کے اختیار میں ہے۔ تمام لوگوں کو قرآن شریف کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر فکر و عمل کی پوری آزادی حاصل ہے۔ اسلام ایسا ماحول عطا کرتا ہے جس میں ذہنی اور روحانی آزادی ہوتی ہے۔ چونکہ قانون سازی سے انسانی آزادی پر پابندی عائد ہو جاتی ہے اس لیے قانون سازی کا حق خدا اور صرف خدا ہی کو حاصل ہے اور اسلام اس کا تصور ہی نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص اسطرح کچھ کرے گویا کہ وہ دوسرے پر فوقیت و برتری رکھتا ہے۔ قرآن کا مقصد اس قسم کی انانیت کو ختم کر دینا ہے۔ اخوت عامہ اور مساوات انسانی کی تعلیم نے کسی شخص کا اپنے آپ کو دوسروں سے افضل سمجھنے کا امکان خواہ وہ علم کے میدان میں ہو یا کسی اور شعبہ میں اسلام کے اخلاقی نظام سے یکسر خارج کر دیا ہے (پس) ساری دنیا کے نہ سہی کم از کم ایک ملک کے مسلمانوں کو تو (ایک ناقابل تقسیم) وحدت میں مشتمل ہو جانا چاہیے۔

اقتدار اعلیٰ صرف خدا کو حاصل ہے:- اسلامی مملکت میں کسی شخص کے لیے اس کا امکان نہیں کہ وہ اعلیٰ ترین اقتدار اور شاہی اختیار کا مدعی بنے، حتیٰ کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کو بھی اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں ہوتا کہ وہ احکام و قوانین خداوندی کا نفاذ و اجرا کرے۔ اس بات کا تو تصور منشائے قرآنی اور روح اسلامی کے منافی ہے کہ کسی فرد کو مسلمانوں کے لیے قوانین وضع کرنے کا اختیار ہے۔ قرآن شریف جگہ جگہ پوری شدت کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ خدائے ذوالجلال اور صرف اسی کی ذات اس دنیا اور آخرت کی شہنشاہ ہے اور اسی کے احکام واجب التعمیل اور قطعی ہیں۔ چنانچہ چھٹی سورۃ کی آیت ۵۸ اور بارہویں سورۃ کی آیات ۴۰ اور ۶۷ میں ارشاد ہوا ہے کہ احکم الحاکمین صرف خدا کی ذات ہے۔ اسی طرح چالیسویں سورۃ کی بارہویں آیت میں فرمایا گیا ہے۔

فالحکم للہ العلی الکبیر

پس فیصلہ (حکم) کا حق صرف خدا کو حاصل ہے جو سب سے بلند اور بڑا ہے۔

یہ حقیقت کہ صرف خدائے ذوالجلال ہی بادشاہ ہے سورۃ حشر کی آیات ۲۳، ۲۴ سے بھی بہت اچھی طرح واضح ہے۔ ارشاد ہے۔

ہو اللہ الذی لا الہ الا ہو۔ الملک القدوس السلٰم المومن المہیمن العزیز الجبار المتکبر۔ سبحان اللہ عما یشرکون (۵۹.۲۳، ۲۴)

اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی صاحب اقتدار نہیں۔ بادشاہ۔ تمام کمزوریوں سے پاک۔ سلامتی والا امن دینے والا نگہبان، غالب، صاحب قوت، سب سے بڑا، جن چیزوں اور قوتوں کو لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ ان سب سے دور ہے۔

رسول اللہؐ اور خلفائے راشدینؓ:- ۹۔ رسول اللہؐ اور حضورؐ کے بعد خلفاء اربعہؓ کا عمل اس حقیقت کی کافی شہادت ہے کہ انسانوں کی بادشاہت ایک غیر اسلامی چیز ہے اور منافی اسلام ورنہ ان کے لیے نہایت آسان تھا کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کا بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیتے اور اگر وہ اس طرح اعلان کر دیتے تو اسے بہ طیب خاطر قبول بھی کر لیا جاتا۔ کیونکہ وہ بلاشبہ کافی قابلیت اور امانت و راستبازی کے مالک تھے۔ اسی اعتماد کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے نہ کبھی ایسا دعویٰ کیا اور نہ وہ ایسا تصور کرتے تھے کہ گویا وہ اسلامی دنیا کے مطلق العنان حاکم ہیں۔ وہ جو کچھ بھی

کرتے دوسرے مسلمانوں کے مشورہ سے کرتے۔ ان کا ایمان تھا کہ تمام مسلمان ایک برادری ہیں۔ اسلامی عقیدہ بھی یہی ہے۔ فی نفسہٖ اس عقیدے کے لحاظ سے ایک انسان کی دوسرے پر برتری خارج از بحث ہو جاتی ہے۔ اسی سے اجتماعی عمل کی بنا پڑی۔ ان میں نہ کوئی حاکم تھا نہ کوئی محکوم۔ نہ کوئی مرشد اور نہ کوئی پیر۔ ان میں سے ہر شخص امام بننے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن یہ بھی ضروری تھا کہ جو لوگ زہد و تقویٰ یا اور کسی شعبہ میں فضیلت کے مالک ہوں۔ دوسرے ان کی اقتداء کریں۔ یہ زہد و تقویٰ کے مالک ان کے اولوالامر ہوتے تھے۔

(اس کے بعد فاضل جج نے یہ بتایا کہ خلافت ملوکیت میں کس طرح تبدیل ہو گئی)۔

اصول انتخاب:- قرآن شریف کی رو سے صرف ایسا شخص ہی سربراہ ریاست ہو سکتا ہے جس میں علم و فضیلت اور جسمانی صلاحیت ہو۔ اس اصول کی رو سے ریاست کے لیے وراثت کی بنیاد پر سربراہ کاری کے حق کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں آیات ذیل کا نقل کرنا موجب استفادہ ہو گا۔

وقال لهم نبيهم .... واسع عليم (۲/۲۴۷)

پھر ایسا ہوا کہ ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو حکمران مقرر کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے ہم پر حکمرانی مل جائے حالانکہ اس سے کہیں زیادہ حکمران ہونے کے ہم خود حقدار ہیں۔ اسے تو مال و دولت کی وسعت بھی حاصل نہیں۔ نبی نے یہ سن کر کہا کہ اللہ نے تو طالوت ہی کو (حکمرانی) کی قابلیتوں کے لحاظ سے تم پر فضیلت عطا کی ہے اور علم کی فراوانی اور جسم کی طاقت دونوں میں اسے وسعت دی ہے۔ حکمرانی مشیت خداوندی (کے اصول) کے مطابق ملتی ہے وہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

حق قانون دہی صرف خدا کو حاصل ہے:- ۱۱۔ جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا ہے اسلامی قانون کی رو سے منصب قانون سازی خدا اور صرف خدائے بزرگ و برتر ہی کو حاصل ہے۔ آدم کے وقت سے لے کر خدائے تعالیٰ اپنے احکام پیغمبر اور مرسلین کے ذریعے (انسانوں تک) پہنچاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جب کہ مشیت خدائے علیم و خبیر نے مناسب سمجھا کہ انسانوں کے لیے ایک قطعی اور آخری قانون مرتب کر دیا جائے چنانچہ بنی نوع انسان کے لیے یہ قانون نبی اکرمؐ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا۔ جس کو یا تو فوراً حفظ کر لیا جاتا یا کتابت کرا لی جاتی۔

خدا کا قانون قرآن کریم کے اندر ہے:- یہ وحی ایک کتاب کی شکل میں جمع ہوئی جسے قرآن پاک کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کے بعد تمام نوع انسان مردوں، عورتوں بچوں کے افعال و اعمال پر انہی احکام خداوندی کی رو سے کنٹرول ہونا تھا جو قرآن شریف میں مدون ہیں یہی احکام بتاتے ہیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ پسندیدہ کیا۔ اور ناپسندیدہ کیا۔ جائز کیا ہے اور ممنوع کیا۔ ممدوح کیا ہے اور مقبوح کیا۔ مختصر یہ کہ معاشرۂ اسلامی کی لازمی بنیاد قرآن کریم ہے یہی مرکز ہے اور یہی وہ محور جس کے گرد مسلمانوں کا سارا قانون گھومتا ہے۔

مستقل اور قابل تغیر و متبدل قوانین:- ۱۱۔ (الف) یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ معاشرہ انسانی ایک نہایت پیچیدہ چیز ہوتی ہے۔ اگرچہ فطرت ایک ازلی و ابدی مشیت کا مظاہرہ متصور ہونی چاہیئے اور اٹل قانون کے تابع بلکہ انسانی زندگی کے حالات و معاملات ہر زمانہ اور ہر مقام پر ایک اور یکساں نہیں ہوتے شخصیتوں اور مادی حالات کے امتزاج آئندہ پیدا ہونے والے مواقع کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کرتے۔ انسانی طبائع کے گوناگوں ہزاروں مدارج و مسائل ہزارہا اقسام کے ماحول سے دوچار ہوتے ہیں۔ پھر مشیت ایزدی کا کچھ ایسا انتظام ہے کہ ہر انسان جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے اپنے ایک جداگانہ حیرت انگیز تخیل کا مالک ہوتا ہے اور ہر آنے والا دن انسان کے لیے ایک غیر متوقع اختلاف احوال و ماحول اپنے ساتھ

لاتا ہے۔ پس اس دنیا میں' جہاں لوگوں کے ماحول اور معاملات ہر آن بدلتے رہتے ہیں اور نئے لوگوں کی پیدائش اور نئے حالات کے پیدا ہونے سے بدلنے ہی چاہئیں کس طرح یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ قواعد و ضوابط بہر صورت غیر متبدل رہیں قرآن مجید بھی اس عام اصول سے مستثنیٰ نہیں۔ وہ مختلف النوع امور حیات انسانی کی راہ نمائی کے لیے وسیع اور عمومی نوعیت کے قاعدے بتلادیتا ہے اس سے ہمیں مجرد قواعد کا ایک مکمل نظام اور ایک خاص ضابطہ عمل و کردار مل گیا ہے جس کی بنیاد صفات حسنہ پر ہے بعض معاملات مثلاً وراثت ترکہ وغیرہ میں اس کے احکام بہ نسبت دیگر معاملات کے زیادہ واضح اور تفصیلی ہیں۔ بعض امور ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں تمثیلی انداز میں ہوا ہے اور بعض ایسے بھی جن کے بارے میں وہ بالکل ساکت ہے تاکہ لوگ ایسے معاملات میں مقتضائے معاشرہ اور حالات حاضرہ کے لحاظ سے اپنے طرز عمل کو منضبط کرلیں۔

قرآنی احکام واضح ہیں:- قرآن شریف میں اس بات پر بار بار زور دیا گیا ہے کہ وہ ایک نہایت سادہ زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ ہر کوئی اسے بہ سہولت سمجھ سکے احکام قرآن کی سادگی اور وضاحت سے متعلق بعض آیات مبارکہ نقل کردینا یہاں مفید ہوگا۔ سورۃ بقرہ میں ہے۔

کذٰلک یبین اللہ لکم آیتہ لعلکم تعقلون (۲/۲۴۲)

اس طرح اللہ تم پر اپنی آیات واضح کردیتا ہے تاکہ تم سوچو سمجھو۔

سورۃ انعام میں ہے:

و ہو الذی انشاکم من نفس واحدۃ فمستقر و مستودع قد فصلنا الایات لقوم یفقھون (۶/۹۸)

وہی ہے جس نے تمہیں نفس واحدہ سے نشوونما دی۔ پھر تمہارے لیے قرار پانے کی جگہ ہے اور سپردگی کا مقام۔ بلاشبہ جو لوگ سمجھ سوچ سے کام لینے والے ہیں ان کے لیے ہم نے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کردی ہیں۔

اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے۔

وکذالک نصرف الایات و لیقولوا درست ولنبینہ لقوم یعلمون (۶/۱۰۴)

اور اس طرح ہم پھیر پھیر کر آیات بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ بول اٹھیں کہ تو نے (سب کچھ) ذہن نشین کرادیا لیکن اس لیے کہ جو لوگ جاننے والے ہیں ان کے لیے (دلائل) واضح کردیں۔

اور آگے چل کر۔

و ھذا صراط ربک مستقیما۔ قد فصلنا الایات لقوم یذکرون (۶/۱۲۷)

اور یہ تمہارے پروردگار کی سیدھی راہ ہے۔ بے شک ہم نے ان لوگوں کے لیے جو نعمت پر دھیان دینے والے ہیں آیات کھول کھول کر بیان کردی ہیں۔

(اسی طرح فاضل جج نے حسب ذیل مزید آیات درج کی ہیں جن میں اس نکتہ کی وضاحت کی گئی ہے)۔

(۱/۱۱'۱۲/۲'۱۵/۱'۸۹'۱۷/۱-۶'۱۷/۱'۲۸/۹'۳۲-۲۲'۷/۱۱'۵۴/۹'۵۷/۱۱'۵۷'۲۵/۵۷'۵۸/۳۰'۴۴/۴۱)

قرآن فہمی کا حق ہر ایک کو حاصل ہے:- پس یہ واضح ہے کہ قرآن شریف کے پڑھنے اور سمجھنے کا حق اور رعایت کسی ایک یا دو اشخاص کو نہیں۔ وہ نہایت صاف و سلیس اور عام فہم زبان میں اتارا گیا ہے تاکہ تمام مسلمان جو کوشش کریں اسے سمجھ سکیں اور اس پر عمل کریں۔

پس قرآن کریم کے پڑھنے اور اس کی تعبیر کرنے کا حق ہر مسلمان کو موہبت کیا گیا ہے جسے اس سے کوئی نہیں چھین سکتا خواہ وہ کتنا ہی عالی مقام و فاضل و کامل کیوں نہ ہو اس کے سمجھنے میں فاضل قدما کی لکھی ہوئی تفاسیر سے بیش قدر مدد لی جاسکتی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں ان تفاسیر کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس بارے میں قول فیصل یا آخری لفظ ہیں قرآن مجید کے پڑھنے اور اسکے سمجھنے میں اس کی بھی تعبیر شامل ہے اور تعبیر سے مراد یہی ہے کہ اس کے احکام کو عملی مسائل پر کس طرح منطبق کیا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کا انطباق بہر حال موجودہ حالات کی روشنی اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ہوگا۔

فقہی قوانین غیر متبدل ہیں:- زمانہ قدیم کے مفسرین مثلاً امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ وغیرہم نے جن کی عظمت واحترام جیسی ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے 'میرے دل میں بھی ہے اس کتاب مقدس کی آیات کی جو تعبیریں کی ہیں وہ موجودہ زمانہ میں من و عن قبول نہیں کی جاسکتیں اور یہ واقعہ ہے کہ ان کی سب تعبیروں پر انہی کے ہم منزلت علمائے متاخرین نے جن میں خود ان ائمہ کے شاگرد بھی شامل ہیں 'آمنا و صدقنا نہیں کیا مختلف مسائل قرآنی پر ان اصحاب نے جو عمیق غور و فکر کیا ہے اس سے ہم پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ حضرات مقتضائے حالات اور ماحول زمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے ہیں۔ جو مسائل ان کے زمانہ میں اور ان کی جائے سکونت پر ان کے سامنے پیش ہو رہے ہیں انہوں نے ان کا تصفیہ کر دیا لہذا اگر بارہ سو تیرہ سو سال قبل کے مفسرین کی تعبیر ہی کسی مسئلہ پر حرف آخر قرار پا جائے تو سارا اسلامی معاشرہ ایک آہنی قفس میں مقید ہو جائے گا۔ اور اسے زمانہ کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ہونے کا موقع نہ رہے گا۔ اور نہ وہ ایک عالمگیر دین ہونے کی حیثیت بر قرار رکھ سکے گا وہ صرف اس زمان و مکان میں محدود مقید ہو کر رہ جائے گا جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا جیسا کہ میں نے اشارہ کیا ہے جب قرآن مجید نے تمام معاملات کے لیے ازلی اور ابدی جزئی قوانین متعین کر کے نہیں دیئے تو امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کی تعبیرات کی یہ حیثیت کیسے ہو سکتی ہے بد قسمتی سے چند صدیوں سے نئے حالات و مقتضیات کے تحت قرآن شریف کی تعبیر و تفسیر کا دروازہ بند ہو گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان مذہبی سکتہ میں مبتلا سیاسی فالج کے مریض اور ثقافتی ابتری اور اقتصادی زوال کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔

اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا:- سائنٹفک انکشافات اور علمی ترقیاں جو کسی زمانہ میں مسلمانوں کا اجارہ تھیں اب دوسروں کے پاس چلی گئی ہیں اور ایسا نظر آتا ہے کہ مسلمان گویا (ابدی نیند) سو گئے ہیں۔ اس زبوں صورت حال کو ختم ہو جانا چاہیے مسلمانوں کو چاہیے کہ بیدار ہو کر زمانہ کے ہم دوش ہو جائیں۔ اس معاشرتی 'اقتصادی اور سیاسی جمود کو جو مسلم اقوام کو دبوچے ہوئے ہے۔ جھٹک دینا چاہیے قرآن کریم کے عام اصولوں کو زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات پر منطبق کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تعبیر علم و بصیرت کے رو سے اس طرح کی جائے کہ عامتہ المسلمین میں اپنی تقدیر آپ بنانے اور اپنے خیالات اور اخلاقی تصورات کو خود تشکیل کرنے کا مادہ پیدا ہو۔ اور جس ملک میں اور جس زمانہ میں وہ رہتے بستے ہیں ان میں اس کی پوری پوری مناسبت سے عمل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ دوسرے انسانوں کی طرح مسلمانوں کو بھی قسام ازل نے عقل و دانش موہبت فرمائی ہے۔ یہ جوہر استعمال میں لانے کی چیز ہے اسے زنگ آلود کرنے کے لیے نہیں دیا گیا۔ دنیا کے مختلف خطوں کے مسلمانوں کو پوری پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ (اپنے معاملات) میں غور و تفحص کریں اور یہ تحقیق کریں کہ قرآن شریف کے کسی حکم کا منشاء اور غایت خداوندی کیا ہے اور اسے ان کے حالات پر کس طرح منطبق کیا جاسکتا ہے لہذا تمام مسلمانوں کے لیے قرآن شریف کا سننا 'سیکھنا اور سمجھنا لازمی ہے۔

قرآن کریم میں ایک گروہ کے متعلق ہے کہ:

ومنهم من یستمع الیک .... اھوائھم (۱۶/۴۷)

اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو (بظاہر نظر آتا ہے کہ) تیری باتیں سن رہے ہیں لیکن در حقیقت ان کا دھیان کہیں اور ہوتا ہے اور جب تیرے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان سے پوچھتے ہیں کہ اس (رسول) نے ابھی ابھی کیا کہا تھا۔ یہی ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے (اس لیے کہ) وہ اپنی پست خواہشات کا اتباع کرتے ہیں۔

(اس کے بعد فاضل جج نے آیات ۹۲/۲، ۸/۲۹، ۳ درج کر کے لکھا ہے)۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن پر غور و فکر کریں اور اسے سمجھیں اور اسے سمجھنے کے لیے انہیں اجتہاد کوشش کرنی چاہئے ایسی ہی جیسی کہ وہ کسی دنیوی مقصد کے حصول کے لیے کیا کرتے ہیں۔ اسی کو اجتہاد کہتے ہیں۔

(اس کے بعد فاضل جج نے آیات ۲۹/۶، ۸۴/۷، ۸۰/۲۷، ۲۲/۷، ۲۰/۱۱۴ درج کر کے یہ بتایا ہے کہ قرآن کریم نے اجتہاد پر کس قدر زور دیا ہے اس کے بعد لکھا ہے) یہ تمام آیات اچھی طرح واضح کر دیتی ہیں کہ قرآن شریف کا علم حاصل کرنے اس کے احکام کو اچھی طرح اور صحیح سمجھنے اور ان کی تعبیر کرنے کا کام کسی خاص گروہ کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ اسے تمام مسلمانوں کا فریضہ قرار دیا گیا ہے جہاں تک تعبیر کا تعلق ہے چند مسلمہ اور مستند اصول پیش نظر رکھنے ضروری ہیں ان میں سے چند ایک کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قرآنی تعبیرات کے اصول:- (۱) قرآن مجید میں بعض اوامر خاص اہمیت کے حامل ہیں اور مسائل زیر بحث کی جڑ تک پہنچتے ہیں ان کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی۔ ان کی اطاعت من و عن کرنی ہوگی۔

(۲) بعض احکام ہدایتی نوعیت کے ہیں ان کی غرض و غایت اور اصل و روح کو سامنے رکھ کر ان کی تعمیل کی جائے گی۔

(۳) جن احکام میں الفاظ صاف و صریح استعمال کئے ہوئے ہیں اور مطلب بھی واضح اور غیر مبہم ہے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان الفاظ کے لغوی معنی لئے جائیں بالفاظ دیگر قرآن مجید کے الفاظ کا مفہوم متعین کرنے میں اس کی زبان کو توڑا مروڑا نہ جائے۔

(۴) اسے تسلیم کرنا چاہیے کہ قرآن شریف کی آیات کا کوئی حصہ نہ تو بے معنی ہے اور نہ متضاد نہ ہی اس کا کوئی جزو زائد یا بیکار ہے۔

(۵) قرآن کے مفہوم کو اس کے متن سے الگ نہیں کرنا چاہیے۔

(۶) قرآن شریف کی تعبیر بہ لحاظ شان نزول یا اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے کرنے کی سعی خطرناک ہے۔

(۷) تعبیر معقول ہونی چاہیے یعنی انسانی برتاؤ کا جو نقشہ ماحول سے متاثر ہو کر مرتب ہوتا ہے قرآنی تعبیر میں اس کا لحاظ رکھا جائے۔ نیز یہ ملحوظ رہنا بھی ضروری ہے کہ نئے اور غیر متوقع حالات مسلسل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ معاشرے کے تقاضے آئے دن بڑھتے جاتے ہیں۔ پس تعبیر 'احکام' حالات اور مقتضیات کی روشنی میں ہونی چاہیے۔

(۱۱) زمان و مکان کے لحاظ سے مختلف مواقع کی مماثلتوں اور اختلافات کا وزن و اندازہ کرنا ضروری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ماضی کے احوال و ظروف جس طرح عہد بدلتے بدلتے زمانہ حال تک پہنچے ہیں ان کا موازنہ کریں اور ان تبدیلیوں پر خاص نگاہ رکھیں اور سابقہ فتووں کو بہ حیثیت قطعی تصفیوں کے نہ لے لیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ظن و گمان پر مبنی ہوں یا مشروط بہ شرائط ہوں یا ایسی نوعیت کے ایقانات پر مبنی ہوں جو مسترد کر دیے جانے کے لائق ہوں۔

۱۲۔بد قسمتی سے اس دنیا میں کبھی اور کم از کم پہلے چار خلفاءؓ کے بعد سے کہیں، حقیقی اسلامی مملکت وجود میں نہیں آئی جس میں قرآن شریف کی تعبیر ایسے لوگوں کے ذریعے ہوتی جو باہم مل جل کر ردّ و قدح اور بحث مباحثہ کے بعد اس کی تعبیر کرتے۔

مشاورتی نظام کو تعبیر کا حق حاصل ہے:- قرآن شریف کے اصول ابدی ہیں مگر ان کا اطلاق ابدی نہیں کیونکہ اطلاق ہمیشہ واقعات کے لحاظ سے اور کسی مقصد سے ہوا کرتا ہے اور یہ دونوں ہمیشہ تغیر پذیر اور بدلتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن شریف کا کوئی ایسا حکم لے لیجئے جس کی ایک سے زیادہ تعبیریں ہو سکتی ہوں۔ اس کے لیے اگر ہر مسلمان کو یہ اختیار دیدیا جائے کہ وہ اپنی فہم و فراست اور تخیلات و تصورات کے لحاظ سے اس کی تعبیر کرے تو اس سے مختلف تعبیریں معرض وجود میں آئیں گی اور عجیب قسم کا انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی مسئلہ ایسا لیا جائے جس کے بارے میں قرآن شریف ساکت ہے اور ہر شخص کو یہ اختیار مل جائے۔ کہ وہ کردار و عمل کے لیے اپنے مخصوص..... انداز فکر کے لحاظ سے کوئی قاعدہ گھڑ لے تو اس سے معاشرہ کا شیرازہ ہی درہم برہم ہو جائے گا اسلامی معاشرہ بھی اور معاشروں کی طرح زیادہ سے زیادہ نفوس کو زیادہ سے زیادہ مسرت مہیا کرتا ہے۔ جو کم سے کم تکلیف سے حاصل ہو سکتی ہے۔ پس امت کے زیادہ سے زیادہ افراد کی رائے ہی کسی مسئلہ میں غالب رہنی چاہیئے۔ (یعنی قرآن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے باہمی مشورہ سے امور مملکت طے کرنے چاہیں)۔

۱۳۔یہ فطری امر ہے کہ کسی ایک فرد یا چند افراد کی دانائی و توانائی کو مکمل نہیں تصور کیا جاسکتا۔ کسی ایک شخص کو خواہ وہ کتنا ہی صاحب اقتدار اور دانشمند و فریس کیوں نہ ہو کامل نہیں کہہ سکتے۔ حتیٰ کہ زیادہ سے زیادہ ذکی الحس اور عالی خیال قلب بھی کسی شے کی تمام صفات پر جو سامنے آئیں وہ توجہ نہیں دے سکتا جو دینی چاہیئے مرد عورت اور بچے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں جو باہم گر ملتے جلتے اور رہتے بستے ہیں اور نظم و ضبط کے ساتھ باہمی معاملات کرتے ہیں یقیناً ایک فرد کے مقابلہ میں زیادہ دانائی اور توانائی کا مادہ رکھتے ہیں۔ ان کی قوت متخیلہ بھی زیادہ قوی ہو گی۔ اور قوت مدرکہ بھی۔ قرآن مجید کے رو سے بھی فرقان حمید کی تعبیر اور واقعات پیش نظر اس کے عام اصولوں کے اطلاق کا فریضہ کسی ایک شخص یا چند اشخاص کے سپرد نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کی سر انجام دہی.......... تمام امت کے باہمی مشورہ سے ہونی چاہیے۔ اس کا ارشاد ہے۔

و الذین استجابوا لربهم و اقاموا الصلوٰة و امرهم شوریٰ بینهم (۴۲/۳۸)

جو لوگ اپنے رب کے احکام کو قبول کرتے ہیں اور اقامت صلوٰۃ کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔

(اس کے بعد فاضل جج نے آیت ۳/۱۰۲ درج کی ہے۔ جس میں مسلمانوں کو اعتصام بحبل اللہ کی تاکید کی گئی ہے)۔

یہ اور بہت سی دیگر آیات میں بھی مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ قرآن شریف کو سمجھیں اور اس کی آیات پر غور و تدبر کریں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ کام افراد سے نہیں بلکہ اجتماعی طور پر سر انجام پائے۔

۱۴۔اس سلسلہ میں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ قانون سے ہماری مراد کیا ہے۔ میری رائے میں قانون وہ ضابطہ ہے جسے امت کی اکثریت اپنے کردار و عمل کے لیے طے کرے۔

۱۵۔شروع شروع میں انسانوں کی آبادی مختصر تھی وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں منتشر طور پر بود و باش کرتے اور اپنے آپ میں مگن اور بے نیاز رہتے تھے۔ ان حالات میں وہ اس قسم کی انفرادی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ پھر آگے چل کر جب ان کی تعداد بڑھی اور انہیں بڑے بڑے گروہوں یا قبیلوں کی شکل میں رہنا پڑا تو اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ سب کے لیے کوئی عمومی ضابطہ کردار و عمل ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر پچاس افراد پر مشتمل معاشرہ کو

لے لیجے۔ (فرض کیجئے) اس میں قتل کی واردات ہوئی۔ کثرت رائے یہ تھی کہ فعل مجرمانہ تھا لیکن بعض افراد معاشرہ اسے ایسا خیال نہیں کرتے تھے۔ چونکہ کثرت رائے والی جماعت میں زیادہ قوت تھی اس نے اقلیت سے اپنی رائے منوالی۔ اب یہ قانون ہو گیا کہ ان پچاس آدمیوں کے قبیلہ میں کوئی شخص قتل کا ارتکاب نہ کرے۔ یہی مثال زمانہ موجودہ پر بھی صادق آئے گی۔ ایک ایسے ملک میں جو کئی کروڑ اشخاص پر مشتمل ہو قرآن شریف کے ان مقامات کی تعبیر کا حق جن کی مختلف تعبیرات کی جاسکتی ہوں اکثریت ہی کو ہونا چاہیے۔ وہی طے کرے گی کہ ان کے واقعات اور حالات کے لحاظ سے کونسی تعبیر موزوں اور مناسب ہے یا قرآن کریم کے عام اصولوں کا حالات حاضرہ پر کیسے اطلاق کیا جائے تاکہ فکر و عمل میں یکسانیت اور عمومیت پیدا ہو۔ اسی طرح امت کی اکثریت ہی کو یہ حق ہونا چاہیے کہ ایسے مسائل پر جن کے بارے میں قرآن شریف ساکت ہے مناسب قوانین مرتب کرے۔

دوسرا سوال جس پر بحث و تمحیص کی ضرورت ہے کہ یہ کروڑوں اشخاص قرآن شریف کی تعبیر کے حق کا استعمال کس طرح اور حالات حاضرہ پر عام اصولوں کا اطلاق کیونکر کریں گے یا ان مسائل کے بارے میں جن کی نسبت قرآن شریف ساکت ہے کیسے قانون بنائیں گے۔

جمہوریت کا مشاورتی نظام:- اس مسئلہ کا فیصلہ ملک کے حالات کے مدنظر ہو سکتا ہے کہ وہ کونسا بہترین طریق ہے جس کے مطابق لوگ اپنے نمائندوں کا انتخاب کر سکتے ہیں جو ان کے اس حق کا صحیح استعمال اور ان کی رائے کا صحیح اظہار کریں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سب کسی ایک شخص کو اپنا نمائندہ منتخب کر لیں۔ لیکن تاریخ بتلاتی ہے کہ کسی ایک شخص کو اختیار مطلق کا سونپ دیا جانا ہمیشہ تباہ کن نتائج کا حامل رہا ہے۔ اس کو اقتدار کا نشہ بدمست کر دیتا ہے اور ملک و قانون کی حکومت بگڑ جاتی ہے اور جب اقتدار کلی و کامل ہو تو خود اس فرد میں اور حکومت قانونی اور ملک میں فساد بھی کلی اور مکمل ہوتا ہے۔ کسی ملک کی تاریخ میں ایسے حالات بھی سامنے آسکتے ہیں جنہوں نے ایک فرد واحد کو مجبور کر دیا ہو کہ وہ ابتر صورت حال کی اصلاح کے لیے عنان حکومت خود اپنے ہاتھوں میں لے لے اور ملک کو تباہی سے بچالے لیکن یہ ایک عارضی دور ہے اور ملک میں جمہوریت اور عوام کے ہاتھوں میں اقتدار کو پھر بحال کرنے کے لیے ہر طرح جائز بھی۔ پس اسلامی قانون کی رو سے یہ نہایت اہم ہے کہ اقتدار زیادہ اشخاص کے ہاتھ میں دیا جائے تاکہ ایک شخص دوسرے کا نگران ہو اور امت کی رہبری کے لیے سب مل کر قانون کا مفہوم متعین کریں اور یہ فطری امر ہے کہ یہ لوگ امت کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ ہوں گے۔ یہی وہ شکل ہے جس میں کسی خاص منصوبۂ عمل کا پروگرام کامیاب ہو سکتا ہے۔

اسی کو اجماع کہتے ہیں:- اسلام میں اقتدار و قوت پوری ملت کو تفویض کی جاتی ہے اور صرف خدائے قدیر کی ذات سب سے بالاتر ہوتی ہے۔ اسمیں فیصلے آزاد شہریوں کی حیثیت سے مشترکہ اور اجتماعی ہوتے ہیں۔ اسی کو اجماع سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۱۶۔ اجتہاد یا قوت فیصلہ کا استعمال ایک مسلمہ سرچشمہ ہے جس سے قوانین اخذ کئے جاتے ہیں تاکہ لوگ کسی مشکل یا مشتبہ مسئلہ قانونی کے متعلق رائے قائم کرنے میں اپنے قوائے ذہنی و عقلی کا پورا پورا استعمال کریں۔

حق اجتہاد امت کو حاصل ہے:- چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے اجتہاد پر بڑی فراخی سے عمل کیا۔ وہ طریقے جن کے ذریعہ امام ابو حنیفہؒ اور دیگر مقننین اسلام اپنی قوت فیصلہ کو کام میں لائے، قیاس (تمثیلی استدلال)، استحسان (Equity)، استصلاح (مفاد عامہ) اور استدلال یعنی استنباط کہلاتے ہیں۔ کسی ایک فرد یا چند اشخاص کے اجتہاد کو خود مسلمان مقننین نے بھی خطرناک تصور کیا ہے۔ اسی لیے وہ قانونی مسائل میں ان

تیوں کو ترجیح دیتے تھے جو مجتہدین کی اکثریت کے اتفاق رائے کے مظہر ہوتے یا مسلم مقننین کی اس متفقہ رائے کو جو کسی زمانہ میں کسی خاص مسئلہ قانونی پر ظاہر کی گئی ہے۔ اس زمانہ کے لوگوں کے جدید اجتہاد کے حق کو چند مقننین تک محدود کر دینا درست اور حق بجانب بھی تھا کیونکہ تعلیم اور تعلم اس زمانہ میں اتنی عام نہیں تھی لیکن میرے خیال میں فی زمانہ یہ فرض عوام کے نمائندوں کو انجام دینا چاہیے کیونکہ جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں قرآن شریف کا پڑھنا اور سمجھنا اور اس کے عام اصولوں کا اطلاق کرنا اب ایک دو آدمیوں کی اجارہ داری نہیں رہی ہے بلکہ ایک حق اور فرض ہے سارے مسلمانوں کا اور اس کا انصرام اس شخص کے ذریعہ ہونا چاہیے جسے انہوں نے اس مقصد کے لیے منتخب کیا ہے۔ ان تصریحات سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن مسائل کے متعلق قرآن شریف کے احکام بالکل صاف اور واضح ہیں وہی مسلمانوں کا قانون ہیں۔ جہاں تک تعبیر اور ان اصولوں کے اطلاق کا تعلق ہے جو قرآن شریف نے بتلائے ہیں تو مسلمانوں کے لیے قانون وہی ہوگا جو ان کے منتخب کیے ہوئے نمائندے متعین کریں۔

ایک مثال سے وضاحت :- مندرجہ صدر نقطہ نظر کی وضاحت چند تشریحات کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ سب سے اول میں قرآن شریف کی چوتھی سورۃ کی تیسری آیت کو لیتا ہوں۔ جس کا اکثر ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے

و ان خفتم الا تقسطو فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنی و ثلث و ربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذالک ادنی الا تعولوا (۴/۳)

اور اگر تمہیں اس بات کا خدشہ ہو کہ تم یتامی کے حقوق کو منصفانہ طور پر ادا نہیں کر سکو گے تو اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کر لو۔ دو تین چار تک لیکن اگر تمہیں خدشہ ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو۔ یا وہ جو اس سے پہلے تمہاری ملک میں آچکی ہے۔ بے انصافی سے بچنے کے لیے ایسا کرنا زیادہ قرین ثواب ہے۔ (اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے معاشرہ میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں اور شادی کے قابل لڑکیوں کی تعداد بڑھ جائے اور اس مسئلہ کا اور کوئی معقول حل نہ ہو تو آپ وحدت زوج کے اصول میں استثناء کر کے ایک سے زیادہ بیویوں سے اس ہنگامی مشکل کو حل کر سکتے ہیں)۔ (طلوع اسلام)

جیسا کہ میں اس فیصلہ کے ابتدائی حصہ میں لکھ آیا ہوں کہ قرآن شریف کے کسی حکم کا کوئی حصہ نہ فضول ہے اور نہ لایعنی یہ لوگوں کے منتخب نمائندوں کا کام ہے کہ وہ متعین کریں کہ قانوناً کوئی مسلمان ایک سے زیادہ عورتوں سے عقد کر سکتا ہے اور اگر کر سکتا ہے تو کن شرائط اور قیود کے تابع۔ بادی النظر ایسا عقد (ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ) صرف یتامی کے مفاد کے لیے ہو سکتا ہے۔ بہر حال یہ شق اجازتی ہے۔ کوئی ایسا حکم نہیں جسے ماننے پر ہم مجبور ہوں۔ یعنی فرض نہیں۔ اس پر اسٹیٹ نگرانی کر سکتی ہے۔ پہلے کی تمثیل کو دہراتے ہوئے جہاں پچاس نفوس کی اکثریت ہے یہ قانون بن گیا کہ ان میں سے کوئی قتل کا مرتکب نہ ہو۔

تعدد ازدواج :- اسی طرح اگر کوئی مسلمان کہتا ہے کہ میں ایک سے زیادہ عورتوں سے عقد نہ کروں گا کیونکہ مجھ میں اس کی استطاعت نہیں تو آٹھ کروڑ کی اکثریت قوم کے لیے یہ قانون قرار دے سکتی ہے کہ قوم کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالت اپنے ارکان کو ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

(آیت پیش نظر کو قرآن شریف کی دوسری اور دو آیات کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے۔ ان دو آیتوں میں سے پہلی (۲۴) ویں سورۃ کی (۳۳) ویں آیت ہے کہ ایسے اشخاص جن میں شادی کی استطاعت نہ ہو شادی ہی نہ کریں۔ پس اگر کوئی شخص بوجہ عدم

استطاعت ایک عورت سے عقد کرنے سے روک دیا گیا ہے تو اسے ایک سے زیادہ عورتوں سے عقد کرنے سے بھی اسی یا اس جیسی کسی اور وجہ کی بنا پر روک دینا ہوگا اگر کسی شخص کو خاندان کی گذر بسر کے وسائل پر دسترس نہ ہونے کی بناء پر عقد کرنے سے روکا جاسکتا ہے تو یہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے کہ

ضبط تولید:- کسی کے اتنے ہی بچے ہوں جن کی وہ پرورش و پرداخت کر سکے وہ خود ضبط تولید (یعنی بچوں کی پیدائش پر تحدید) نہیں کرتا تو اسٹیٹ پر لازم ہے کہ وہ اس پر کنٹرول کرے۔ اب اس اصول کو ذرا اور وسعت دیجئے مثلاً اگر کسی ملک کی غذائی حالت نازک ہے اور اضافہ آبادی کو محدود کرنے کی ضرورت ہے تو اسٹیٹ کے لیے یہ بالکل جائز ہوگا کہ وہ قانون بنادے کہ کوئی شخص ایک سے زیادہ بیویاں نہ کرے اور ایک بھی اسی صورت میں جب کہ اس کے پاس اپنے خاندان کی پرورش کے وسائل اور استطاعت ہو۔ یا یہ کہ اس کے بچوں کی تعداد ایک مقررہ حد سے نہ بڑھنے پائے۔ مزید برآں آیۂ مذکورہ بالا میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی مسلمان کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ دو بیویوں کے مابین عدل نہ کر سکے گا تو اسے صرف ایک ہی بیوی کرنی ہوگی۔ آگے چل کر چوتھی سورۃ کی (۱۲۹) ویں آیت میں خدائے علیم و خبیر نے واضح فرمایا ہے کہ بیویوں کے مابین عدل کرنا انسان کے بس کی بات ہی نہیں۔

و لن تستطیعوا ان تعدلو بین النساء لو حرصتم فلا تمیلو کل المیل فتذروھا کالمعلقته و ان تصلحو و تتقو فان اللہ کان غفورا رحیما (۴/۱۲۹)

تم اپنی طرف سے کتنے ہی خواہشمند ہو لیکن یہ بات تمہارے بس کی نہیں کہ تم عورتوں میں (جذباتی) عدل کر سکو۔ پس ایسا نہ کرو کہ کسی ایک ہی طرف جھک پڑو اور دوسروں کو اس طرح چھوڑ بیٹھو گویا معلقہ ہے اور اگر تم درستگی پر رہو اور بے انصافی سے بچو تو اللہ غفور رحیم ہے۔

پس یہ اسٹیٹ کا کام ہے کہ ان دونوں آیتوں کی ہم آہنگی کے ساتھ قانون بنائے اور ایک سے زیادہ بیویاں کرنے پر قیود عائد کردے۔

۱۸۔ اس قانون میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ برس ہا برس کا تجربہ شاہد ہے اور جیسا کہ خود کلام مجید میں مانا گیا ہے دو بیویوں میں عدل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے تعدد ازدواج قطعاً ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔

(ہماری بصیرت کے مطابق قرآن نے یہ کہا ہے کہ تم جذباتی عدل پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ہم تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ تم ہر ایک بیوی کو ایک جیسا چاہو۔ لیکن یہ بھی تو نہ کرو کہ کسی ایک کی طرف اتنا جھک جاؤ کہ دوسری ادھر لٹکی رہ جائے اگر تم اس قسم کا عادلانہ سلوک بھی نہیں کر سکتے تو پھر ہنگامی حالات میں بھی ایک سے زیادہ بیویاں نہ کرو۔ ایک ہی پر اکتفا کرو قرآن اپنے کسی حکم کو ناممکنات سے مشروط نہیں کرتا (طلوع اسلام)۔

ان تینوں آیات میں صرف عام اصول بیان ہوئے ہیں۔ ان اصولوں کا اطلاق اسٹیٹ کے ہاتھوں میں ہونا چاہیے جو اس قسم کا قانون بنائے جس سے وہ لوگ جو ایک سے زیادہ بیویاں کر کے تباہی مول لیتے ہیں خود بھی ہلاکت سے بچ جائیں اور ان کے بچے بھی عند الضرورت ازدواج پر کنٹرول کرنا خود ملک اور قوم کے مفاد کے لیے بہت ضروری ہے۔

سرقہ کی مثال:- [illegible] سرقہ [illegible] بھی سرقہ کے مرتکب ہوں [illegible]

آیت کا حکم ہے کہ جو کوئی اس جرم کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسی پر عفو و مہربانی کی نظر ڈالے گا۔ پس یہ ایک عام سا اصول ہے کہ سرقہ کی انتہائی سزا قطع ید ہے لیکن سرقہ کیا ہے اور کس قسم کے سرقہ کی پاداش میں یہ سزا دی جانی چاہیے اس کا تعین کرنا اسٹیٹ کا کام ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ لوگوں کے کردار اور عمل کے متعلق قرآن شریف کے احکام کی بناء پر قواعد مرتب کرنے کا اختیار اسٹیٹ کو حاصل ہے۔ یہ اختیارات بہت وسیع ہیں اور ایک منصوبے کے تحت پروگرام کو روبہ عمل لانے کے لیے ان کا آزادی سے استعمال ہونا چاہیے۔

نابالغوں سے متعلق قوانین:- ۲۰۔ جہاں تک نابالغین کا تعلق ہے ان تمام کتابوں میں جو ہندوستان اور پاکستان میں مستند کتبِ قانونِ شرع کا درجہ رکھتی ہیں، جو اصول بتلائے گئے ہیں وہ قرآن شریف سے ماخوذ نہیں ہیں۔ اس صحیفۂ مقدس کے چند احکام جو نابالغوں سے متعلق ہیں یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

(اس کے بعد فاضل جج نے آیات ۲/۲۳۳، ۴/۶، ۶۶/۶ درج کی ہیں اور لکھا ہے کہ)۔

ان آیات کی رو سے ماؤں کو دو سال تک اپنے بچوں کو دودھ پلانا ہوتا ہے اور باپ کو بچوں کے اور ماں کے 'جو دودھ پلاتی ہے' غالباً دونوں کے مصارف کا کفیل ہونا پڑتا ہے۔ اسی سے فقہ امامیہ نے یہ تائید لی ہے کہ لڑکا دو سال تک ماں کی تحویل میں رہے۔ لیکن اس بارے میں لڑکے اور لڑکی میں جو فرق کیا جاتا ہے مجھے قرآن کریم سے اس کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں ملی۔ قرآن شریف نے ہر دو والدین پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ اپنے بچے کی نگہداشت اور پرورش کریں۔ نہ تو ماں کو بچہ سے محروم کیا جاسکتا ہے اور نہ باپ کو بہر حال کلامِ مجید میں یہ کہیں نہیں کہ اگر ماں کسی ایسے شخص سے عقد کرے جو اس نابالغ لڑکی کا محرم نہیں تو اسے اپنی بچی سے چھڑا دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کے بچے کی مصاحبت یا معیت سے اس بناء پر محروم کرایا جاسکتا ہے کہ اس نے کسی ایسے شخص سے عقد کر لیا ہے جو نابالغ لڑکی کا محرم رشتہ دار نہیں تو اسی استدلال کی بنا پر میں نہیں سمجھتا کہ وہ باپ جس نے دوسرا عقد کر لیا ہے اپنے بچہ کی تحویل سے کیوں محروم نہ کر دیا جائے۔ سوتیلی ماں بھی آخر بچہ کے لیے زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی ہی نفور انگیز اور خطرناک ہے جیسے کہ سوتیلا باپ۔ بہر حال یہ مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ نابالغوں کے متعلق کوئی قانون مرتب کرے کیونکہ قرآن مجید اس بارے میں خاموش ہے۔ موجودہ قانون ولایت (Guardian and wards Act) کے متعلق سمجھنا چاہیے کہ یہی نابالغوں کا قانون ہے۔ اس کا نفاذ اسلامی مملکت پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد اس ملک کے منتخب نمائندوں کے ہاتھوں ہوا لیکن اس قانون ولایت نے بھی کوئی واضح اور معین قاعدہ اس بارے میں مدون نہیں کیا کہ اگر ماں دوسرا شوہر کرے تو نابالغ کس کی تحویل میں رہے گا اس باب میں وہ واحد نقطہ جسے قرآن شریف کی رو سے اور قانون ولایت کے لحاظ سے ملحوظ رکھنا چاہیے یہ ہے کہ نابالغ کی بہبود کا تقاضا کیا ہے۔ اگر ماں کی تحویل میں اس کا رکھا جانا اس کے حق میں مفید ہے تو باوجود دوسرا عقد کر لینے کے بچہ اسی کی تحویل میں رکھا جانا چاہیے اس امر کا تصفیہ ہر مقدمہ کے لحاظ سے ہو گا یا حالات متعلقہ کی روشنی میں ہو گا۔

احادیث کی قانونی حیثیت:- ۲۱۔ مسلمانوں کا ایک معتدبہ طبقہ قرآن شریف کے علاوہ حدیث اور سنت کو بھی قرآن شریف ہی کی طرح ایک اہم ماخذِ قانونِ اسلامی تصور کرتا ہے۔ صحیح مفہوم میں حدیث قول ہے حضرت پیغمبر صلعم کا لیکن عام استعمال میں ہر وہ بات حدیث میں داخل ہے جو حضرت رسول صلعم نے کہا یا جس پر انہوں نے عمل فرمایا۔ جسے انہوں نے پسند یا ناپسند فرمایا۔ اور مستحسن یا غیر مستحسن سمجھا۔ یہ اچھی طرح سمجھنے کے لیے کہ حدیث کس حد تک قانون اسلامی کا منبع ہے ہمیں حضور سرورِ کائنات کی ذاتِ گرامی کا اسلامی دنیا میں صحیح مقام متعین کر لینا

چاہیئے میں اس فیصلہ کے ابتدائی حصہ میں کہہ چکا ہوں کہ مذہب اسلام منجانب اللہ ہے۔ اس کی اتھارٹی خدائے ذوالجلال اور صرف خدا کی طرف سے ہے اگر اسلام کے متعلق یہ تصور صحیح ہے تو لازماً یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے قول و عمل کو خداوندی کے ساتھ مخلوط نہیں کرنا چاہیئے زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے کہ متعلقہ حالات کی روشنی میں احکامِ قرآن شریف کی تعبیر کی جائے شریف کے عام اصولوں کا کسی خاص مقدمہ زیرِ غور کے واقعات پر اطلاق کرتے وقت ان سے مدو لی جا سکتی ہے۔ اس سے یقیناً انکار نہیں حضرت محمد صلعم ایک انسان کامل تھے ہم میں سے کس کو دعوٰے ہو سکتا ہے کہ آپ کی عظمت و شان کا کماحقہٗ احترام کر سکے یا جس قدر و توقیر ہم کرنا چاہتے ہیں وہ مکمل طور پر کر سکیں۔ بایں ہمہ وہ خدا نہیں تھے اور نہ خدا سمجھے جا سکتے تھے دوسرے پیغمبروں کی طرح آپ تھے۔

حضورؐ کی بشری حیثیت:- (اس کے بعد فاضل جج نے قرآن کریم کی حسب ذیل آیات درج کی ہیں جن میں حضورؐ کی ہے ۱۰۹/۱۲، ۱۰/۱۴، ۱۴/۱۱، ۱۴۴/۳، ۱۸۸/۷، ۱۴/۶، ۵۱/۵۱ اس کے بعد لکھا ہے)۔
انہیں بھی ہماری ہی طرح احکامِ خداوندی کی تعمیل کرنی ہوتی تھی اس فرق کے ساتھ کہ قرآن شریف کے تحت ان پر واجبات اور ذمہ داریاں ہم سے بہت زیادہ تھیں۔ جو کچھ حضورؐ کو خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملتا تھا۔ آپ اس سے زیادہ مسلمانوں کو کچھ اور نہیں دیتے تھے ہے۔

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسلتہ و اللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکفرین (۵/۶۷)

اے رسول!۔ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے تو اسے (لوگوں تک) پہنچا دے۔ اگر تو ایسا نہ کریگا (تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے) خدا کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

۲۲۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حضرت محمد صلعم کی ذاتِ گرامی کو باوجود اتنی رفعت و شان کے خدا کے بعد ہی کا درجہ دیا جا سکتا ہے قرآن شریف کی مختلف آیات کا نقل کرتے چلے جانا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ حضورؐ پر بذریعہ وحی نازل ہوا اس کے علاوہ انسان کی حیثیت سے آپؐ کے اپنے خیالات بھی تھے۔ جو آپؐ کے اعمال کی راہ نمائی کرتے تھے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ حضرت محمد صلعم سے کوئی معصیت سرزد نہیں ہوئی۔ لیکن غلطی کا ارتکاب آپ سے بھی ہو سکتا تھا اور یہ حقیقت قرآن شریف میں بھی تسلیم کی گئی ہے۔

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر و یتم نعمتہ علیک ویھدیک صراطا مستقیما (۴۸/۲)۔

تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔ اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ (ترجمہ محمود الحسنؒ)۔

حضورؐ کا اسوہ حسنہ:- قرآن مجید کے ایک سے زیادہ مقامات پر یہ ارشاد ہے کہ رسول صلعم کی ذاتِ گرامی ساری دنیا کے لیے اچھا نمونہ ہے لیکن اس کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ہر شخص کو ایسا ہی دیانت و امانت کا حامل، ایسا ہی مستقل مزاج و راسخ، ایسا ہی مخلص اور ایسا ہی ہونا چاہیے جیسے کہ حضور اکرمؐ تھے اس سے یہ مطلب نہیں کہ ہم وہی سوچیں اور وہی کریں جو آپؐ نے سوچا اور آپؐ نے کیا۔ کیونکہ یہ

فطرت اور انسان کے لیے ناممکن بات ہے اور اگر ہم اس کی کوشش میں لگ جائیں تو جینا دوبھر ہو جائے۔

اطاعت رسول :- ۲۳۔ یہ بھی صحیح ہے کہ قرآن مجید نے اطاعت رسول پر بہت زور دیا ہے لیکن اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپؐ نے جس کام کو جس خاص طریقہ سے کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ہم اسی نہج سے اسے انجام دیتے رہیں اطاعت صرف حکم (Command) ہی کی ہو سکتی ہے اور جہاں کوئی حکم نہیں ہے اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ نافرمانی کا۔ قرآن شریف کے ان احکام سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار ہے کہ ہمیں من و عن وہی کچھ کرنا چاہیے جو رسول اللہ نے کیا یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کسی ایک شخص کی حیات کے زمانہ کا تجربہ' خواہ وہ حضرت رسولؐ کی حیات طیبہ ہی کیوں نہ ہو (یاد رہے کہ حضورؐ کو اسلام نے خدا کا درجہ نہیں دیا)۔ چند محدود اشکال کی حد تک ہی نظائر و امثال فراہم کر سکتا تھا اور یہ بالکل مبرہن ہے کہ قرآن شریف اور حدیث کا فرق ٹھوس اور واقعی ہے۔ اندریں حالات خاص حالات میں ہر قوم کے عمل کرنے کے لیے کونسی چیز قانون متصور ہو۔ اور کس طور پر کسی مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا تصفیہ حالات پیش نظر اور اصول انصاف کے تحت ہی ہونا چاہیئے۔

(اس کے بعد فاضل جج نے قرآن کریم کی تین آیات درج فرمائی ہیں پہلی ۴/۵۸ جس میں حکم دیا گیا ہے کہ امانات ان کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں۔ دوسری آیت ۴۲/۱۵ میں جس میں حضورؐ کی لسان مبارک سے کہلوایا گیا کہ مجھے عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے بعد لکھا ہے۔

افراد نیز پوری قوم کے معاملات میں کوئی فیصلہ کن رائے قائم کرتے وقت ہم مواقع کے اختلافات زمان و مکان کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

خلفائے راشدینؓ کا مسلک دربارہ حدیث :- خلفائے اربعہؓ نے جو رسولؐ کے بعد آئے حضورؐ کے اقوال' اعمال اور طریق کار کو کس قدر اہمیت دی اس کی کوئی مستند شہادت موجود نہیں لیکن بحث کی خاطر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ افراد کے اور نیز قومی اہمیت کے معاملات کے تصفیوں میں اپنی رہبری کے لیے انہوں نے احادیث رسولؐ سے بہت وسعت کے ساتھ مدد لی تو یہ ان کے لیے درست بھی تھا کیونکہ وہ زمان و مکان کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے رسولؐ اللہ سے زیادہ قریب تھے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے جو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ستر سال بعد فوت ہو گئے۔ پیش آمدہ مسائل کے تصفیوں میں صرف سترہ یا اٹھارہ حدیثوں سے مدد لی ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ رسول اللہؐ سے اتنے قریب نہیں تھے جتنے کہ پہلے چار خلفاء راشدینؓ' انہوں نے تمام معاملات میں قرآن شریف کے احکام پر اپنے تصفیوں کو مبنی کیا اور متن کلامِ مجید کی تہہ میں جا کر احکامِ مصدرہ کی غایت دریافت کرنے کی سعی کی۔ استدلال و استخراج کی ان میں بڑی صلاحیت تھی انہوں نے جورس پروڈنس (اصولِ قانون) کے نظریے اور حقیقی واقعاتِ حاضرہ کی روشنی میں قیاسی استخراج کی بنیاد پر اصول ترتیب دیئے۔

امام اعظمؒ اور حدیث :- اگر امام ابو حنیفہؒ کو حدیثوں کی مدد لیے بغیر احکام قرآنی کی حالات حاضرہ کی روشنی میں تعبیر کا حق حاصل تھا تو اس حق سے باقی مسلمان محروم نہیں کیے جا سکتے۔ قرآن شریف کی تعبیر اور انفصال مقدمات میں امام ابو حنیفہؒ کے فتاویٰ کو خود ان کے شاگرد اور متبعین نے حرف آخر نہیں تصور کیا۔ آخر وہ انسان ہی تھے اور ان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کو صرف ایک شخص کی رائے پر انحصار نہیں کرنا چاہیے۔ قوم اپنے زمانے میں اسی رائے اور قانون کی پابند ہو گی۔ جو عوام کے منتخب نمائندگان کی آرا کے نتیجہ پر طے پائے۔ امام حنیفہؒ نے اس حقیقت کو

(اچھی طرح) سمجھ لیا تھا اور اس کو بیاد قرار دیا تھا کہ معاشرہ کے لیے جن قوانین و ضوابط کی ضرورت ہے ان میں سے چند ہی ایسے ہیں جنہیں قرآن شریف نے متعین طور پر دیا ہے لیکن ان کے بعد آنے والوں میں سے بعض نے خود امامؒ کے مسلک کے خلاف یہ قرار دیا کہ ہر قانون جو اخذ کیا گیا ہے قرآن شریف کے متن میں موجود ہے انہوں نے استدلال کے ذریعے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ جو کچھ قرآن شریف کے متن میں موجود تھا اسے اخذ کر لیا جائے۔ یہ ایک شدید نزاعی بحث ہے جس پر میں رائے زنی کی جرأت نہیں کر سکتا۔

اب جب کہ ہم ایک باقاعدہ اور منظم دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور تجسس و تحقیق عالمانہ کے سارے وسائل پر دسترس رکھتے ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ مسلم جورس پروڈنس کی ایک اصل ہونے کی جہت سے حدیث کا مقام کیا ہے نیز یہ بھی کہ آیا ہم مسائلِ قانونی میں امام ابو حنیفہؒ وغیرہم جیسے عظیم مُقنِّن ہستیوں کی رائے کے پابند رہیں۔ یا ہمیں بھی حالاتِ حاضرہ کی روشنی میں قیاسی استخراج کا حق حاصل ہے۔

وضعِ احادیث :- ۲۵۔ تمام علمائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا موضوع حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ قوانینِ اسلام کے صحیح ماخذ کی حیثیت حاصل کرتا گیا خود حضرت رسول اکرمؐ کی زندگی میں جھوٹی حدیثیں وضع ہونے لگ گئی تھی۔ پھر جھوٹی اور غلط حدیثوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں روایتِ حدیث کی ہمت شکنی ہی نہیں کی بلکہ اس کو بند کرا دیا۔ امام بخاریؒ نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے صرف نو ہزار کو صحیح روایات قرار دیا میرے خیال میں اس سے انکار نہیں ہو سکتا جس طرح رسول اللہؐ کی زندگی میں قرآن کریم کی صحت و حفاظت کا انتظام کیا گیا تھا حدیث کی صحت و حفاظت کے لیے اس قسم کی کوشش نہیں کی گئی اس کے برعکس ایسی شہادتیں ہمدست ہیں کہ رسول اللہؐ نے تحفظ روایتِ حدیث کو سخت ناپسند فرمایا۔ اگر مسلم کا مرتبہ مجموعۂ احادیث صحیح ہے تو یقیناً رسول اللہؐ نے لوگوں کو آپؐ کے اقوال و اعمال کے لکھنے کی سخت ممانعت فرمائی تھی اور جن لوگوں نے حدیثیں جمع کر رکھی تھیں انہیں فوراً تلف کر ڈالنے کا حکم دیا تھا۔

لا تکتبوا عنی و من کتب عنی خیرا القرآن فلیمحہ و حدثوا ولا حرج

مولانا محمد علی نے اپنی کتاب ریلجن آف اسلام (Religion of Islam) مطبوعہ ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۶۲ پر اسی حدیث یا اسی قسم کی کسی اور حدیث کا حسبِ ذیل ترجمہ دیا ہے۔

احادیث کے مجموعے :- "(حضرت) ابو ہریرہؓ سے روایت کی جاتی ہے ایک دفعہ ہمارے پاس رسول اللہؐ تشریف لائے اس وقت ہم حدیث لکھنے میں مصروف تھے آپ نے استفسار فرمایا کہ تم کیا لکھ رہے ہو ہم نے جواب دیا کہ حدیث جو آپ سے ملتی ہیں۔ آپؐ نے حیرت و استعجاب سے فرمایا کیا کلام اللہ کو چھوڑ کر دوسری کتاب!" اس کی بھی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ رسول اللہ کے بعد خلفائے اربعہؓ کے عہد میں حدیثیں جمع یا مرتب کی گئیں اس حقیقت کو (کہ احادیث نہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں جمع و مرتب کی گئیں اور نہ ہی خلفائے راشدینؓ کے عہد میں) کس قدر اہمیت دینی چاہیئے بڑا غور طلب سوال ہے۔ کیا ایسا کہنا ممکن ہے کہ رسول اللہؐ نے یا ان چار خلفاءؓ نے جو آپؐ کے بعد ہوئے تحفظِ حدیث کی کوئی کوشش اس لیے نہیں فرمائی کہ وہ عام اطلاق کے لیے تھیں ہی نہیں۔ اکثر مسلمانوں نے قرآن شریف کو حفظ کر لیا، جیسے جیسے اس کا نزول ہوتا اسے کسی موزوں چیز (از قسم قرطاس) پر فوراً لکھ لیا جاتا۔ اس کلام کے لیے رسول اللہؐ نے ذی علم و فضل صحابہؓ کی خدمات حاصل فرمائیں لیکن جہاں تک حدیثوں کا تعلق ہے نہ تو وہ کبھی حفظ کرائی گئیں اور نہ انہیں جمع یا محفوظ کیا گیا وہ لوگوں کے سینوں ہی میں پوشیدہ رہیں جنہوں نے مرتے وقت سرسری طور پر سے اس کی روایت کر دی تا آنکہ رسول اللہؐ کی وفات کے کئی صدیوں بعد انہیں جمع اور مدون کیا گیا میری رائے میں تقاضائے وقت یہ ہے کہ

ایک منظم و محققانہ جانچ پڑتال کرائی جائے۔ عربوں کی غیر معمولی اور حیرت انگیز قوتِ حافظہ کے باوجود جسے انہوں نے بڑے اوجِ کمال تک پہنچایا تھا آیا کہ یہ ممکن ہے کہ حدیثوں کو جیسے کچھ وہ موجود ہیں بالکلیہ قابل اعتماد اور صحیح مانا جائے؟ یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ پہلی مرتبہ ان کی تدوین رسول اللہﷺ کی وفات کے تقریباً سو سال بعد ہوئی تھی لیکن اس کا اب کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ ازاں بعد امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) امام مسلم (المتوفی ۲۸۳ھ) ابو داؤد (المتوفی ۲۷۵ھ) جامع ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ) سنن نسائی (المتوفی ۳۰۳ھ) سنن ابن ماجہ (المتوفی ۲۸۳ھ) سنن الدرمی (المتولد ۱۸۱ھ) بیہقی (المتولد ۳۸۴ھ) اور امام احمد (المتولد ۱۶۴ھ) نے اپنے اپنے مجموعے مرتب کیے۔ اہل تشیع ان مجموعوں کو مستند تصور کرتے ہیں جو امام ابو جعفر (۳۲۹ھ) شیخ علی (۳۸۱ھ) شیخ ابو جعفر محمد ابن علی ابن حسینؒ (۴۶۶ھ) اور سید الرازی (۴۰۶ھ) نے مرتب کیے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ سارے مجموعے امام بخاریؒ وغیرہم کے مجموعوں کے بھی بہت بعد کے ہیں ایسی حدیثیں بہت کم ہیں جن پر سارے جامعینِ حدیث متفق ہوں۔ کیا اس حقیقتِ واقعی سے حدیث کی صحت اور اعتماد مشتبہ نہیں ہو جاتا؟ جن اصحاب کو اس کی تحقیق کا کام سپرد کیا جائے۔ نتیجتاً اس بات کا خیال رکھیں گے کہ ہزاروں لاکھوں جھوٹی اور موضوع حدیثیں اس نیت سے رائج کر دی گئیں کہ رسول اللہﷺ اور اسلام بدنام ہوں۔ نیز اس بات کا بھی ضرور لحاظ رکھنا ہوگا کہ ایک عرب کی قوتِ حافظہ کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو؟ آیا کوئی تحریر جو صرف ان کے حافظہ کے ذریعہ منضبط کی گئی ہو مستند اور معتبر تصور کی جانی چاہیے؟ آج کل کے عربوں کو بھی اتنا ہی قوی الحافظہ ہونا چاہیے کہ جتنا تیرہ سو برس پہلے تھا اس لیے اگر موجودہ زمانے کے عربوں کے حافظہ کا جائزہ لیا جائے تو اس سے اس امر کی نشاندہی ہو جائے گی کہ جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں انہیں صحیح اور اصلی تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ عربوں کی مبالغہ آمیزی اور ان لوگوں کے معتقدات و تعصبات نے جنہوں نے ہم تک یہ روایتیں پہنچائی ہیں اصل روایات کو بڑی حد تک مسخ کر دیا ہوگا۔ جب الفاظ ایک ذہن سے دوسرے ذہن کی طرف منتقل ہوتے ہیں تو دین خواہ اہل عرب کا ہو یا کسی کا ان میں ہر شخص کی مخصوص ذہنیت کے لحاظ سے تغیر کا امکان رہتا ہے۔ ہر ذہن اس میں کچھ نہ کچھ توڑ مروڑ کرتا ہے اور جب روایات متعدد اشخاص کے اذہان سے ہو کر گذریں تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں کیا کچھ تغیر و تبدل نہ ہو گیا ہوگا۔ پھر یہ حقیقت بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیے کہ فطرتِ انسانی ہر جگہ ایک ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو ناقص البنیان بنایا ہے اور انسان کی قوت مدرکہ بھی بعید کمزور ہے۔

چند احادیث بطور مثال:- ۲۶۔ حدیثوں کے مجموعے جیسے کچھ ہیں ان کا مطالعہ کرنے سے ان میں داخلی شہادت اس امر کی پائی جاتی ہے کہ بعض پر بہ مشکل اعتبار ہو سکتا ہے۔ بعض احادیث ایسی ہیں جنہیں بہ مشکل صحیح مانا جا سکتا ہے مثلاً

عن عطا قال دخلت علی عائشته فقلت خبر ینا با عجب ما رایت من رسول الله صلی الله علیه وسلم فبکت و قالت و ای شانه لم یکن عجبا۔ اتانی نی لیلته فد خل معی فی فراشی را و قالت فی لحافی) حتی مس جلدی جلده ثم قال یا ابنته ابی بکر ذرینی اتعبد لربی قلت انی احب قربک لکنی او ثر هواك فاذنت له فقام الی قربته ماء فتوضا فلم یکثر صب الماء ثم قام یصلی فبکی حتی سالت دموعه علی صدره ثم رکع فبکی ثم سجد فبکی ثم رفع راسه فبکی فلم یزل کذالک یبکی حتی جاء بلال فاذنه بالصلوة فقلت یا رسول الله ما یبکیک و قد غفر الله لک ما تقد م من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبدا شکورا۔

حضرت عطاؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پہنچا اور ان سے کہا کہ آپ مجھے آنحضرتؐ کا سب سے زیادہ عمدہ و عجیب کام جو آپ نے دیکھا ہو اس سے مطلع فرمایئے اس پر وہ رو پڑیں اور فرمانے لگی ان کا تو ہر کام ہی عمدہ و پسندیدہ اور تعجب انگیز ہوتا تھا۔ آپؐ ایک شب میرے پاس آئے اور میرے ساتھ میرے بچھونے (یا لحاف) میں آگئے حتیٰ کہ میرا بدن آپ کے بدن سے مس کرنے لگا پھر آپ نے فرمایا اے بنت ابی بکرؓ مجھے میرے رب کی عبادت میں لگ جانے دو میں نے کہا مجھے آپ کا قرب محبوب ہے لیکن میں اسے آپ کی مرضی پر ترجیح دیتی ہوں چنانچہ میں نے آپ کو اجازت دے دی آپؐ پانی کی مشک کے پاس تشریف لے گئے پھر وضو کیا' آپ نے زیادہ پانی نہ گرایا' پھر آپؐ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور آپؐ رونے لگے تاآنکہ آپ کے آنسو آپ کے سینہ پر رواں ہو گئے پھر رکوع فرمایا اور روتے رہے پھر سجدہ کیا اور روتے رہے پھر اپنا سر اٹھایا اور روتے رہے اور آپؐ برابر روتے رہے حتیٰ کہ حضرت بلالؓ نے آکر انہیں نماز کے وقت کی اطلاع دی تب میں نے پوچھا یا رسول اللہ، اللہ نے تو آپ کے اگلے اور پچھلے قصور معاف فرما دیئے ہیں۔ آخر پھر آپ کیوں روتے ہیں آپؐ نے فرمایا تو کیا میں اس کے ان عظیم انعامات پر اس کا انتہائی شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

عن عائشته قالت کان اللنبی صلی اللہ علیه و سلم یقبل بعض ازواجه ثم یصلی ولا یتوضا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ اپنی بعض ازواجِ مطہرات کو بوسہ کرتے تھے پھر بغیر وضو کیئے نماز پڑھ لیتے تھے۔

عن ام سلمته قالت قالت ام سلیم یا رسول اللہ ان اللہ لا یستحی من الحق فھل علی المراۃ من غسل ازا احتلمت قال نعم اذا رات الماء فغطت ام سلمت و جھھا و قالت یارسول اللہ اوتحتلم المراۃ قال نعم تربت یمینک فبھم یشبھھا ولدھا متفق علیه و وزاو مسلم بروایته ام سلیم ان ماء لر جل غلیظ ابیض وماء المرئۃ رقیق اصفر فمن ایھما علا او سبق یکون منه الشبه۔

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ام سلیمؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ بلاشک اللہ تعالیٰ حق میں حجاب روا نہیں رکھتا تو بتایئے کہ کیا اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو وہ غسل کرے گی؟ آپ نے فرمایا! ہاں جب وہ تر مادہ دیکھے اس پر ام سلمہؓ نے اپنا چہرہ ڈھانک لیا اور پوچھا یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ورنہ پھر اس کا بچہ اس پر کیوں جاتا ہے؟ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے مسلم نے ام سلیم کی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ بے شک مرد کا مادہ گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا مادہ پتلا اور پیلا ان میں سے جو غالب آجاتا ہے یا پہلے ہو جاتا ہے اسی کے مطابق اولاد میں مشابہت ہوتی ہے۔

عن معاذۃ قالت قالت عائشته کنت اغسل انا و رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم من اناء واحد بینی وبیته فیبا درنی حتی اقول دع لی قالت و ھما جنبان

حضرت معاذہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور آنحضرتؐ ایک برتن سے جو میرے اور آپ کے درمیان تھا غسل کر رہے تھے، آپ تیزی سے اس میں سے پانی استعمال کر رہے تھے اس پر مجھے کہنا پڑا کہ میرے لیے بھی کچھ چھوڑیئے راویہ کہتی ہے کہ دونوں جنبی تھے۔

عن عائشة قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن الرجل یجدالبلل ولا یذکر احتلاما قال یغتسل و عن الرجل الذی یری انه قد احتلم ولا یجد بللا قال لا غسل علیه قالت ام سلیم ھل علی المراۃ تری ذالک غسل قال نعم ان النساء شقائق الرجال۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو نمی پائے لیکن اسے احتلام ہونا یاد نہ ہو تو آپ نے فرمایا کہ وہ غسل کرے گا نیز اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جسے احتلام ہوا ہو لیکن اسے نمی نظر نہ آئے تو آپ نے فرمایا وہ غسل نہیں کرے گا۔ ام سلیم نے کہا کہ کیا اگر عورت بھی یہی کچھ دیکھے تو اسے بھی غسل کرنا ہوگا آپؐ نے فرمایا۔ ہاں عورتیں مردوں کی بہنیں اور انہی میں سے پھوٹ کر نکلنے والی شاخیں ہیں۔

عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جاوز الختان الختان وجب الغسل فعلته انا و رسول الله صلى الله عليه وسلم فاغتسلنا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا جب ختنہ ختنہ سے تجاوز کر جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ میں نے اور آنحضرتؐ نے یہ عمل کیا تو ہم دونوں نہائے تھے۔

عن عائشه قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل من الجنابته ثم يستدفى بى قبل ان اغتسل۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ جنابت کا غسل فرمانے کے بعد میرے بچھونے میں گرم ہونے کے لیے گھس جاتے تھے اور ابھی میں نے غسل بھی نہیں کیا ہوتا تھا۔

عن عائشه قالت كنت اغتسل انا والنبى صلى الله عليه وسلم من انام واحد و كلانا جنب وكان يامرنى فاتزر فيبا شرنى وانا حائض، يخرج راسه الى و هو معتكف فاغسله و انا حائض۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور آنحضرتؐ ایک برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے اور ہم دونوں جنبی ہوتے تھے اور وہ مجھے حکم دیتے تھے تو میں ازار باندھ لیتی تھی پھر آپ مجھ سے مباشرت فرماتے تھے اور میں حائض ہوتی اور آپ اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر میری طرف بڑھا دیتے پھر میں اسے دھوتی اور میں حائض ہوتی تھی۔

عن عائشه كنت اشرب و انا حائض ثم انا وله النبى صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فى فيشرب والعرق العرق و انا حائض ثم انا و له النبى صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع فى۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں حائض ہوتی اور اس حالت میں پانی وغیرہ پیتی تھی پھر وہ برتن آنحضرتؐ کو دے دیتی تھی اور آپ میرے منہ کی جگہ (برتن میں) اپنا منہ رکھ کر پانی پی لیتے اور میں حالتِ حیض ہی میں ہڈی پر سے گوشت نوچ کر کھاتی پھر وہ ہڈی حضور کو دے دیتی تو آپ اس گوشت والی ہڈی پر اس جگہ منہ رکھتے جہاں میرا منہ لگتا تھا۔

عن عائشه قالت كنت اذا حضت نزلت عن المثال على الحصير فلم يقرب رسول الله صلى الله عليه وسلم و لم تدن منه حتى الطهه۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں حیض سے ہوتی تھی تو بچھونے سے اتر کر چٹائی پر سونے لگتی تھی۔ تب آنحضرتؐ مجھ سے قریب نہ ہوتے تھے اور نہ میں آپ سے قریب ہوتی تھی تاوقتیکہ میں نہا نہ لیتی۔

عنها قالت قال لى النبى صلى الله عليه وسلم ناولينى الخمرة من المسجد فقلت انى حائض فقال ان

حیضتک لیست فی یدك۔
حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ مسجد سے مجھے جانماز لا دو تو میں نے کہا۔ میں حیض میں ہوں آپؐ نے فرمایا تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

۲۷۔ کہا جاتا ہے کہ ان احادیث کا نفس مضمون حضرت عائشہؓ صدیقہ اور حضرت ام سلمہؓ کا روایت کیا ہوا ہے میں کسی صورت میں بھی اپنے آپ کو اس بات کے ماننے پر مائل نہیں کر سکتا کہ ان خواتینؓ نے جو بہر نوع کامل الصفات حسنہ تھیں اس عریاں طریق سے وہ پرائیویٹ باتیں غیروں پر ظاہر کی ہوں گی جو ان کے اور حضرت محمدؐ کے درمیان میاں بیوی کی حیثیت ہوں گی۔

۲۸۔ میں یہ بھی یقین نہیں کر سکتا کہ رسول اللہؐ نے یہ فرمایا ہو کہ دوزخ میں جو لوگ پائے گئے ان میں غالب تعداد عورتوں کی تھی اور جنتی لوگوں میں اکثریت غریبوں مفلسوں کی۔ (جیسا کہ ان احادیث میں آیا ہے)۔

عن اسامه بن زيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قمت على باب الجنته فكان عامته من دخلها المساكين و اصحاب الجد محبوسون غير ان اصحاب النار قد امربهم الى النار وقمت على باب النار فاذا عامته من دخلها النساء۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں عام طور پر داخل ہونے والے مساکین ہی تھے اور خوش حال بانصیب لوگ محبوس تھے پھر جہنم والوں کو آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ تو میں جہنم کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ عام طور پر اس میں داخل ہونے والی عورتیں تھیں۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اطلعت فى الجنته فرايت اكثر اهلها الفقراء و اطلعت فى النار فرايت اكثر اهلها النساء۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جنت کا منظر دیکھا ہے تو اس میں جانے والوں کی اکثریت فقیروں کی تھی اور میں نے جہنم کا منظر دیکھا تو ان میں اکثریت عورتوں کی تھی۔

۲۹۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کو من حیث القوم حصولِ دولت سے منع فرمایا گیا کیونکہ اگر انہوں نے دولت کمائی تو ان کے جنت میں جانے کے مواقع کم ہو جائیں گے (ذرا غور تو کیجئے کہ) سب مسلمان مفلس و کنگال ہو جائیں تو ان کی حالت کیا ہو گی کیا افلاس انہیں کلیتاً ہلاک نہ کر ڈالے گا۔ کیا اس سے زندگی کے تمام میدانوں میں ان کی ترقی نہیں رک جائے گی؟ مزید بر آں کیا یہ تعین کرنے کے قابل ہے کہ رسول اللہؐ نے حسب روایت عبداللہ بن قیس (مجموعہ احادیث بخاری صفحہ ۸۵۲ نمبر ۶۰۲/۷۴) یہ ارشاد فرمایا کہ مسلمان جنت کی عورتوں (حوران جنت) سے جو خیمہ کے مختلف گوشوں میں بیٹھی ہوئی ہوں گی مباشرت میں مشغول ہوں گے؟ حدیث کی روایتوں اور قرآن کریم کی ان تفاسیر نے جو قدیم زمانہ میں لکھی گئی تھیں اسلام کو ایک تنگ حلقہ میں مقید کر رکھا ہے اور اس کے دائرۂ عمل کو جو بہت وسیع تھا نہایت محدود کر دیا ہے کیا ہم اس صورتِ حال کو اسی طرح قائم اور جاری رکھیں۔

احادیث حرفِ آخر نہیں ہو سکتیں:- ۳۰۔ بحث کی خاطر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حدیثیں جو مختلف محدثین نے جمع کی ہیں صحیح

اور سچی ہیں پھر بھی اس حقیقتِ واقعی کی شہادت موجود ہے کہ یہ حدیثیں مسائلِ مذہبی سے متعلق نہیں تھیں۔ نیز ان سے رسول اللہؐ کا یہ منشاء نہ تھا کہ وہ اس بارے میں حرفِ آخر تصور کرلی جائیں۔ چنانچہ حدیثِ ذیل مسلم سے مروی ہے۔

عن رافع بن خدیج قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینتہ و ھم یابرون النخل قال ماتصنعون قالو کنا نصنعہ قال لعلکم لو لم تفعلو کان خیرا' فترکوہ فنقصت' فذکروا ذالک لہ فقال انا بشر اذا امرتکم بشی من امر دینکم فخذوا بہ و اذا امرتکم بشی من رایی فانما انا بشر۔

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ مدینہ تشریف لائے اور یہاں کے لوگ کھجوروں کو بار آور کرنے کے لیے ایک عمل کرتے تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تم کیا کرتے ہو انہوں نے جواب دیا یہ ہم کرتے چلے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم یہ نہ کرو تو بہتر ہو سکتا ہے۔ اس پر لوگوں نے یہ عمل چھوڑ دیا۔ تو پیداوار کم ہو گئی پھر یہ بات حضورؐ کے سامنے بیان کی گئی آپ نے فرمایا میں ایک انسان ہوں۔ جب تمہیں تمہارے دین کے متعلق کسی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب تمہیں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو خیال رکھو کہ میں ایک انسان ہی ہوں۔

علاوہ ازیں ایک سے زیادہ حدیثوں میں نبی اکرمؐ نے یہ بات زور دے دے کر بیان فرمائی ہے کہ قرآن شریف ہی وہ واحد کتاب ہے جس سے مسلمانوں کی زندگی کی ہر منزل میں رہبری ہونی چاہیے۔

محدثین نے ایسا دعویٰ کبھی نہیں کیا:- ۳۱۔ یہ حقیقت کہ خود محدثین کو اپنے حدیث کے مجموعوں کی پوری صحت کا کلیتاً اطمینان نہ تھا صرف ایک بات سے ہویدا ہے کہ وہ مسلمانوں سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ وہ ان کی جمع کی ہوئی حدیثوں کو بلاچون وچرا صحیح تسلیم کر لیں۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ وہ جب تک ان کے مقرر کردہ معیاروں اور کسوٹیوں پر پوری نہ اتریں **انہیں** صحیح تسلیم نہ کیا جائے (ظاہر ہے کہ) اگر انہیں خود صحت کا یقین ہوتا تو ایسی جانچ پڑتال کی مطلقاً ضرورت نہ تھی۔

احادیث اور ترکِ دنیا:- ۳۲۔ بعض حدیثیں ایسی بھی ملتی ہیں جو انسان کو اس دنیا سے پرے لے جاتی ہیں صاحب روحانیت ہونا ایک اچھی بات ہے لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اسے بیہودگی کی حد تک پہنچادیا جائے اساسی طور پر خدائے تعالیٰ نے ہمیں انسان بنا کر پیدا کیا ہے۔ اور اس کا منشاء بھی یہ ہے کہ ہم انسانوں کی طرح زندگی گذاریں اگر وہ چاہتا کہ ہم اہل روحانیت یا فرشتے ہو جائیں تو اس قادرِ مطلق کے لیے اس سے زیادہ آسان بات کیا تھی کہ وہ ہمیں پیدا ہی ایسا کرتا۔ صحیح اسلامی قانون کی رو سے مسلمانوں کو اپنی توانائیاں زندگی کو زیادہ مفید زیادہ حسین اور خوشگوار بنانے میں صرف کرنی چاہئیں۔

تنقیدِ احادیث کی ضرورت:- ۳۳۔ حدیثوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گی کہ ان میں سے اکثر مختصر اور بے سروپا (Abrupt) ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں سلسلہء کلام سے جدا کر لیا گیا ہے پس تاوقتیکہ پورا سلسلۂ کلام سامنے نہ ہو اور وہ واقعات معلوم نہ ہو جائیں جو پیغمبر صلعم کے کسی قول یا فعل کے محرک ہوئے تھے ان اقوال وافعال کی صحیح اہمیت اور اثر انگیزی کا اندازہ اور فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔ بہر حال ضرورت اس امر کی ہے کہ حدیثوں کی بالکل نئی بنیادوں پر مکمل تحقیق اور پوری چھان بین ہو کیہ کہا جاتا ہے اور بالکل صحیح طور پر کہا جاتا ہے قرآن شریف کی آیات کو حدیثیں منسوخ نہیں کر سکتیں لیکن کم از کم ایک معاملہ میں تو حدیثوں نے قرآن کے حکم کی ترمیم کر دی ہے اور وہ ہے مسلمانوں میں

وصیت کا مسئلہ حدیثوں پر نہایت غور کرنے کے بعد میں یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوں کہ حدیثیں جیسی کچھ فی الحال موجود ہیں ہر گز قرآن پایہ متصور نہ ہونی چاہئیں اور نہ ہی ان کے متعلق یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا اطلاق عام ہو سکتا ہے میں ان حدیثوں کو جو مختلف جامعین نے مرتب قانون کا ماخذ تصور کرنے کے حق میں نہیں ہوں تا آنکہ تعصب اور تنگ نظری سے نہیں بلکہ نفس مضمون کے اعتبار سے اور سوچ سمجھ کر معیاروں کی جانچ پڑتال نہ کر لی جائے جو امام بخاری وغیرہم نے بے شمار جھوٹی و موضوع اور من گھڑت حدیثوں کے انبار سے منتخب کرتے کئے تھے انہیں ان کسوٹیوں پر نہ کس لیا جائے جو ہمیں نئے حالات اور نئے تجربوں سے حاصل ہو چکی ہے میری یہ بھی رائے ہے کہ جج صاحبان عوام کے منتخب نمائندے حالات پیش نظر کی روشنی میں استدلال و قیاس کے لطیف طریقوں سے قرآن شریف کی تعبیر و تفسیر کے فن شریفہ کو فروغ دیں اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ جیسے مسلم مقننین کے فتاویٰ کو جو مختلف کتابوں میں جمع کئے گئے ہیں صرف نظائر کی حیثیت سے کام میں لائیں۔ اسی طرح جیسے عام عدالتی فیصلوں کو نظائر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف کا قانون سکونی (جامد) نہیں بلکہ نامیاتی ہے۔

اسلامی قوانین کی تدوین کی ضرورت :- اور اگر تعبیر بھی انسان کی اس روش کے لحاظ سے ہونی چاہیے جیسی بھی وہ حالات و ماحول سے متاثر اور مختلف النوع واقعات سے اثر پذیر ہوتی ہے اور امور دینوی کی تحقیق میں امام ابو حنیفہؒ کی طرح عقل و بصیرت سے کام لینے کی ضرورت ہے ان حالات کے پیش نظر اس اسلامی قانون میں جو بر صغیر ہند کے مسلمانوں کو ملا ہے بڑی وسیع تبدیلیوں کی ضرورت ہے اسے ملک کے موجودہ حالات اور ماحول سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔

۳۴۔ دوسرا سوال جس پر غور کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ اگر حدیثیں جیسی کچھ کہ محدثین نے جمع کی ہیں صحیح اور اصلی اور ایسی تصور کر لی جائیں جن کی پابندی مثل احکام قرآنی کی پابندی کے ہو تو آیا اس قانون کی کتب متداولہ میں نابالغوں کے بارے میں لکھا ہوا ہے خود حدیثوں میں سند موجود بھی ہے ؟

مروجہ قانون ولایت کی سند احادیث میں بھی نہیں :- ۳۵۔ نابالغوں سے متعلق سارا اسلامی قانون جس کو اس فیصلہ کی ابتدا میں نقل کیا جا چکا ہے۔ ایک مشتبہ سی حدیث پر مبنی ہے جس کی احمد اور ابو داؤد نے روایت کی ہے اور جو حسب ذیل ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان امراة قالت یا رسول الله ان ابنی هذا کان بطنی له و عاء و ثدیی له سقاء و حجری له حواء و ان اباه طلقنی و اراد ان ینزعه منی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انت احق به مالم تنکحی۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ اور اپنے دادا کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ بیشک میرا یہ بیٹا وہ ہے جس کے لئے میرا پیٹ محفوظ خانہ بنا رہا میری چھاتیاں اس کے لیے غذا بنیں میری گود اس کا محفوظ مسکن بنی اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور اب چاہتا ہے اسے بھی مجھ سے چھین لے تو آپ نے فرمایا تا وقتیکہ دوسرا نکاح نہ کرے تو اس بچہ کو اپنے پاس رکھنے کی زیادہ حقدار ہے۔

حکم غیر واضح ہے :- ۳۶۔ ہمیں ان حالات کا علم نہیں جن کے تحت رسول اللہؐ نے اس عورت سے فرمایا کہ وہ اپنے بچے کو عقد ثانی تک اپنے پاس رکھ سکتی ہے قیاس کی رو سے یہ حکم لڑکی سے بھی متعلق ہونا چاہیے لیکن اس حدیث کے مطابق ماں اپنے بچہ کی ولایت کا حق زائل کر دیتی ہے اگر وہ نابالغ کے کسی رشتہ دار محرم یا غیر محرم سے عقد ثانی کر لے اس سے تو عقد بیوگان کے حق کے راستے میں ایسی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے جو

یف کے احکام اور دوسری حدیثوں کے خلاف ہے پھر اس حدیث سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ماں اگر دوسرا عقد کرے تو نابالغ بچہ آخر کس
کے پاس رہے گا۔ حدیث سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں بچہ باپ کے حوالے کر دیا جائے گا مگر امام شافعیؒ اس باب میں دوسری طرف
تک چلے گئے ہیں ان کی رائے کے مطابق ماں اپنے نابالغ بچوں کی ولایت کی مستحق ہی نہیں رہتی گو اس نے ان کے محرم رشتہ دار ہی سے شادی
کی ہو جب کہ وہ شوہر ایسی ولایت پر راضی نہ ہو کو دوسرے مستند راویوں نے جو مقابلۃً زیادہ معتبر ہیں رسول اللہؐ سے جو حدیث روایت کی ہے یہ
اس سے بھی خلاف جاتی ہے چنانچہ ترمذی نے حضرت ابو ایوب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو بھی ماں اور بچے میں تفریق کا باعث ہو
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے سب سے پیاروں میں تفریق کروائے گا۔

عن ابی ایوب قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من فرق بین والدة و ولدها فرق الله بینه
و بین احبته یوم القیامته

حضرت ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ماں اور اسکے بچہ میں جدائی ڈالے گا اللہ روز قیامت اس
کے اور اس کے دوستوں کے درمیان جدائی کر دے گا۔

ایک دوسرے موقع پر رسول اللہؐ نے ایک کنیز کی بیع کو اس بنا پر منسوخ فرمادیا کہ اس سے اس کا لڑکا بچھڑ جاتا تھا۔

و عنه انه فرق بین جاریته و ولدها فنهاه النبی صلی الله علیه وسلم عن ذلک فرد البیع۔

انہی سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے ایک کنیز اور اس کے بچے کو فروخت کر کے ایک دوسرے سے چھڑا دیا تھا تو آپؐ نے انہیں اس سے منع فرمادیا
تو انہوں نے یہ سودا واپس لے لیا۔

جہاں تک لڑکے کا تعلق ہے ابن ماجہ نے ابو موسیٰ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو ملعون قرار دیا جو لڑکے کے باپ
سے اور بھائی سے جدا کرتا ہے۔

عن ابی موسی قال لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم من فرق بین الوالد وبین الاخ و بین اخیه ۔

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے اس شخص پر لعنت بھیجی ہے جو باپ بیٹے کے درمیان اور بھائی بھائی کے درمیان جدائی کرتا ہے۔
جہاں رسول اللہؐ نے ماں کو بچہ سے جدا کرنے سے منع فرمایا انہوں نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ ماں کے عقدِ ثانی کر لینے کی صورت میں یہ جائز ہو جائے
گا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ کونسی حدیث مقدم ہے یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ رسول اللہؐ نے بعد میں فرمایا ہو اس سے قول ماقبل منسوخ ہو جائے گا پھر لڑکے
کی صورت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ نے بالغ ہی کو یہ اختیار دیدیا کہ ماں اور باپ میں سے جس کو چاہے ولایت کے لیے
چن لے۔

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خیر غلاما بین ابیه و امه ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک بچہ کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو اپنے باپ کے ساتھ رہے اور چاہے تو اپنی ماں کے ساتھ رہے۔
ایک اور واقعہ ابو داؤد، نسائی اور دارمی نے نقل کیا ہے۔

وعنه قال جاء ت امراة الی النبی صلی الله علیه وسلم فقالت ان زوجی یرید ان یذهب بابنی و قد سقانی و
نفعنی فقال النبی صلی الله علیه وسلم هذا ابوك و هذه امک فخذ بید ایهماشئت فاخذ بید امه فانطلقت

بہ۔

انہیں سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرتؐ کے پاس آئی اور کہنے لگی میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو میرے پاس سے لے جائے حالانکہ وہ میرے لیے پانی لاتا ہے اور دیگر فائدے پہنچاتا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا بچے یہ تیرا باپ ہے اور یہ اماں ہے ان میں سے جس کا تو چاہے ہاتھ پکڑ لے چنانچہ بچے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لیکر چلتی بنی۔

۳۷۔ یہی واقعہ شاید کچھ اختلاف کے ساتھ ابو داؤد نسائی اور دارمی کے مجموعے میں بھی ہے

عن ہلال بن اسامته قال بینما ان جالس مع ابی ہریرة جاء ته امراة فارسیته معها ابن لها و قد طلقها زوجها ناد عیاه فرطنت له لقول یا ابا هريرة زوجي يريد ان يذهب باني فقال ابوهريرة استهما عليه رطن لها بذالک فجا زوجها وقال من یحاقنی فی ابنی فقال ابو هریرة اللهم انی لا اقول هذا الا انی کنت قاعدا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فاتته امراة فقالت یا رسول الله ان زوجي يريد ان يذهب بابني و قد ففعني و سقانی من بر ابی عنبة و عند النسائی من عذب الماء فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم استهما علیه فقال زوجها من یحاقنی فی ولدی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هذا ابوك و هذا امک فخذ بید ایهما شئت فاخذ بید امه

ہلال ابن اسامہ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر جب کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس ایک ایرانی عورت آئی جس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا اس عورت نے اس کے شوہر کو طلاق دے دی تھی اور میاں بیوی دونوں بچوں کے مدعی تھے عورت نے ابو ہریرہؓ سے اپنی فارسی زبان میں کہا اے ابو ہریرہ میرا شوہر میرے بیٹے کو خود لے لینا چاہتا ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ تم دونوں اس کے بارے میں قرعہ ڈال لو یہ عبارت انہوں نے اسی کی زبان میں کہی اتنے میں اس کا شوہر بھی آگیا اور کہنے لگا میرے بیٹے کے بارے میں مجھے حق کون دلائے گا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں یہ جو فیصلہ کر رہا ہوں وہ اس بنا پر ہے کہ ایک موقع پر میں آنحضرتؐ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور آپؐ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا یا رسول اللہؐ میرا شوہر میرے بیٹے کو مجھ سے لے لینا چاہتا ہے حالانکہ وہ میرا کام کرتا ہے اور مجھے ابی عنبہ کے کنویں سے پینے کا پانی لا کر دیتا ہے (نسائی کی روایت میں شیریں پانی کا لفظ ہے) تو آنحضرتؐ نے فرمایا تم دونوں اس کے بارے میں قرعہ ڈال لو تو اس کے شوہر نے کہا کہ میرے بیٹے کے بارے میں مجھے حق کون دلائے گا تو رسول اللہؐ نے فرمایا اے بچے یہ تیرا باپ ہے اور یہ تری ماں تو ان دونوں میں سے جس کا ہاتھ چاہے پکڑ لے چنانچہ اس بچے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

۳۸۔ یہ حدیثیں صاف بتلاتی ہیں کہ لڑکے کو ماں باپ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا موقع دیا گیا تھا اور ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ ماں اگر عقد ثانی کرے تو یہ حقِ انتخاب بچہ کو نہیں دیا جائے گا۔

ایک اور حدیث ہے جس میں رسول اللہؐ نے لڑکی، ماں کی بہن (خالہ)، کے حوالہ فرمائی کیونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ خالہ ماں کی مانند ہوتی ہے۔

عن البراء بن عازب قال صالح البنی صلی الله علیه وسلم یوم الحدیبت علی ثلاثته اشباء علی ان من اتام من المشرکین رده الیهم ومن اتاہم من المسلمین لم یردوه و علی ان یدخلها من قابل و یقیم بها ثلثته ایام فلما دخلها و مضی الاجل خرج فتبعته ابنته خمزة تنادی یاعم یا عم فتنا و لها علی فاخذ بیدها

فاختصم فیها علی و زید و جعفر فقال علی انا اخذتھا و ھی بنت عمی .... و قال جعفر بنت عمی و خالھا تحتی و قال زید بنت اخی فقضی بھا اللنبی صلی اللہ علیہ وسلم لخالھا وقال الخالہ بمنزلتہ الام وقال لعلی انت منی و انا منک وقال لجعفر اشبھت خلقی و خلقی وقال لزید انت اخونا و مرلانا۔

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے حدیبیہ کے دن تین شرائط پر صلح کی تھی ایک یہ کہ مشرکوں میں سے جو آپ کے پاس آئے گا وہ اسے مشرکین کو واپس کر دیں گے اور مشرکوں کے پاس جو مسلمان آئیں گے وہ انہیں آپؐ کے پاس واپس نہیں بھیجیں گے دوسری شرط یہ تھی کہ آپؐ مکہ میں آئندہ سال داخل ہوں گے اور وہاں تین دن قیام کریں گے جب آپ مکہ میں داخل ہوئے اور مقررہ مدت گذر چکی تو آپؐ نکل گئے اور آپؐ کے پیچھے پیچھے بنت حمزہ چچا، چچا پکارتے ہوئے آگئی۔ حضرت علیؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا پھر انہیں اپنے پاس رکھنے کے بارے میں حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نے انہیں پکڑا تھا پھر یہ میری چچازاد بہن بھی ہیں۔ حضرت جعفرؓ نے کہا یہ میری چچازاد بہن بھی ہے ساتھ ہی ان کی خالہ میرے گھر میں ہیں۔ حضرت زیدؓ نے کہا یہ تو میری بھتیجی ہے چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے متعلق فیصلہ یہ کیا کہ وہ اپنی خالہ کے پاس رہے گی۔ اور فرمایا کہ خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے پھر حضرت علیؓ نے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔ حضرت جعفرؓ سے فرمایا تم صورت و سیرت میں مجھ سے مشابہ ہو اور حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے آزاد کردہ غلام ہو۔

ہر مقدمہ کا فیصلہ حالات کے مطابق ہوتا تھا:- ۳۹۔ متعدد حدیثوں کی رو سے بچوں پر والدین کی اور خاص کر ماں کی خدمت کا فریضہ عائد کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ بہ نسبت باپ کے ماں کو بچوں کی ولایت کے لیے زیادہ موزوں تصور فرماتے تھے یہ تمام حدیثیں جو اوپر درج کی گئی ہیں صرف یہ بتلاتی ہیں کہ رسول اکرمؐ ہر مقدمہ کے حالات کے اقتضا کے لحاظ سے مسائل کا تصفیہ فرمایا کرتے تھے اس لیے ان کے فیصلوں کو عام اطلاق کے لیے نہیں لے لینا چاہیے۔ آخر میں اس حقیقت پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا رسول اللہؐ نے خود حضرت ام سلمہؓ سے عقد نہیں کیا جن کے بچے پہلے شوہر سے موجود تھے اور جو رسول اللہؐ کے محرموں میں سے نہ تھے کیا رسول اللہؐ سے عقد ثانی کر لینے کی وجہ سے ان بچوں کو ام سلمہؓ سے چھین لیا گیا تاریخ بتلاتی ہے کہ ایسا نہیں ہوا پس کیا وجہ ہے کہ دوسری ماؤں سے بچے اس بناء پر لے لیے جایا کریں۔

نابالغوں کی جائیداد کی ولایت:- ۴۰۔ جہاں تک نابالغوں کی جائیداد کا تعلق ہے کوئی حدیث میری نظر سے نہیں گذری جس میں کوئی واضح اور متعین قاعدہ بتلایا گیا ہو اس مسئلہ پر کافی غور و فکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام میں کوئی ایسا قانون نہیں ہے جس کے تابع نابالغ کی ذات و جائیداد کی ولایت کا تصفیہ ہو سکتا ہے سب سے اہم امر جو ملحوظ خاطر رہنا چاہیے وہ نابالغ کا مفاد ہے محض اس وجہ سے کہ ماں نے کسی ایسے شخص سے عقد ثانی کر لیا ہے جو رشتہ میں نابالغ کا محرم نہیں بچہ کو ماں سے الگ نہیں کر لینا چاہیے اگر اس کا ماں کے پاس رہنا اس کے حق میں بہتر ہو مجھے اس کے لیے بھی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ ماں یا ماں کی ماں یا جس کسی کے پاس بچہ ہو ایک خاص عمر کو پہنچنے کے بعد بچہ اس کے تحویل سے چھین جائے اور اسے ایسے شخص کی تحویل میں نہ رہنے دیا جائے جس کے پاس رہنے سے اس کی بہتری ہو۔ ماں اور نانی ہی وہ اشخاص ہیں جو نابالغ کو ہر حملہ سے محفوظ رکھ سکتی ہیں ان میں اپنے نابالغ بچوں اور نواسوں کی وہ محبت و شفقت ہوتی ہے جیسی محبت و شفقت کا کسی اور کو دعویٰ نہیں ہو سکتا۔

فیصلہ بربنائے اقتضائے حالات:- ۱۳۔اس مقدمہ میں نزاع ہے فی مابین ایک ماں کے جس نے ایسے شخص سے عقدِ ثانی کر لیا ہے جو رشتہ میں نابالغ لڑکیوں کا محرم نہیں ہے اور چچا کے۔ میں نے نابالغان کی ماں کے اس شوہرِ ثانی کو دیکھا ہے وہ ایک مسن شخص ہے اور معزز معلوم ہوتا ہے مجھے بچوں کو ماں سے چھین کر درخواست گذار کے حوالہ کر دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں دکھائی دیتی۔ اس شخص کے لڑکے اور دوسرے رشتہ دار یقیناً ان نابالغوں کے محرم نہیں ہیں لڑکیوں کی صورت میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو شخص ان کی تحویل چاہتا ہے اس کے اپنے لڑکے تو نہیں جوان لڑکیوں کے لئے خطرناک ثابت ہوں۔ جس کسی نابالغ لڑکی کا باپ دوسری عورت سے شادی کر لیتا ہے تو اس دوسری بیوی کے رشتہ دار جو یقیناً اس کے ہاں آتے جاتے ہوں گے ہو سکتا ہے کہ قطعاً ناپسندیدہ ہوں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ باپ یا دوسرے ذکور رشتہ داروں کے مقابلہ میں ماں یا نانی، نابالغ لڑکی کی دوسرے مردوں سے بہترین حفاظت کر سکتی ہے۔ خواہ یہ مرد خود اس ماں یا نانی کے اپنے شوہر بھی کیوں نہ ہوں۔

لہٰذا

میں اپیل کو منظور کرتا ہوں اور حاکم عدالت گوجرانوالہ کے فیصلہ کو منسوخ کرتے ہوئے شہاب الدین کی درخواست نامنظور کرتا ہوں (یہ حکم ۲۴ جولائی ۱۹۶۰ء کو چیف جسٹس ایم آر کیانی نے اپیلانٹ (مرافع) کے کونسل کو سنایا)

____________اپیل منظور کی گئی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام میں قانون سازی کا اصول:- ریٹائرڈ جسٹس کیکاؤس وغیرہ کی درخواست پر پاکستان کی سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ صادر فرمایا جو (P.L.D) کی اشاعت بابت اگست ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ اس میں بعض تبصرے، جن کا تعلق اسلام میں قانون سازی کے اصول سے ہے بڑے اہم ہیں۔ ہم انہیں اختصاراً (P.L.D.) کے شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے :-

(۱)۔ اسلام تھیاکریسی نہیں جس میں مذہبی پیشوائیت کا تسلط ہوتا ہے۔ اس کے اصول نہ پوشیدہ ہیں نہ پیچیدہ، نہ الجھے ہوئے اور نہ ہی ناقابلِ عمل۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جس میں صلاحیت اور قابلیت ہے کہ وہ ہر مقام اور ہر زمانے میں نافذ بھی کیا جا سکتا ہے اور اختیار بھی۔ شرط صرف یہ ہے کہ اسے صحیح طریق پر اس کی روح کے مطابق سمجھا جائے اور اس کی تعبیر ان حالات اور ماحول کو سامنے رکھ کر کی جائے جن میں اسے نافذ کیا جانا مقصود ہے۔

(۲)۔ اس میں ریٹائرڈ جسٹس محمد شفیع کے ایک فیصلے کا اقتباس بھی دیا گیا ہے، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ یہ حقیقت واضح ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور سمجھنا کسی ایک یا دو افراد کی اجارہ داری نہیں۔ اسے آسان اور قابل فہم زبان میں نازل کیا گیا تھا تاکہ جو مسلمان بھی کوشش کریں اسے سمجھ سکیں اور اس پر عمل بھی کر سکیں۔ اس سے ثابت ہے کہ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے کا حق ہر مسلمان کو دیا گیا ہے، جسے کوئی شخص، خواہ وہ کتنے ہی بلند منصب پر فائز اور صاحبِ علم کیوں نہ ہو، اس سے چھین نہیں سکتا۔ قرآن کے سمجھنے کے لئے متقدمین کی

تفسیروں سے صرف استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ قرآن کی تعبیر میں انہیں حرفِ آخر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے سے مراد اس کی تعبیر ہے 'اور تعبیر سے مقصود یہ ہے کہ اس کے احکام کو حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں اور دنیا کی بدلتی ہوئی ضرورتوں کی روشنی میں نافذ کیا جائے۔ اگر ان مفسرین کی تعبیرات کو جو بارہ تیرہ سو سال پہلے ہو گذرے ہیں' حرفِ آخر سمجھ لیا جائے تو تمام مسلم معاشرہ ایک فولادی پنجرے میں محبوس ہو جائے گا اور اسے اس کی اجازت ہی نہیں ہوگی کہ وہ زمانے کے ساتھ نشوونما پاسکے۔ اس سے اسلام ایک عالمگیر دینی نظام ہونے کے بجائے ایک ایسا مذہب بن کر رہ جائے گا جو اسی زمانے تک محدود رہے گا جس میں وہ نازل ہوا تھا۔

میں انتہائی انکسار کے ساتھ یہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ایسا قانون بنا دینا بالکل غلط ہوگا کہ اس ملک میں موجودہ عدالتوں کو اس کا اختیار نہیں ہوگا کہ وہ ائمہ سلف کی تعبیر کے خلاف کوئی تعبیر کرسکیں۔

(۳)۔ مسٹر اے۔ کے۔ بروہی کی کتاب سے یہ اقتباس دیا گیا کہ

قرآن ایک عالمگیر بنیادی قانون کی کتاب ہے۔ یہ امتِ مسلمہ کو اس کا اختیار دیتا ہے کہ وہ اس کی روشنی میں ملت کے لئے ذیلی قوانین مرتب کرتے چلے جائیں۔ یہ بنیادی قانون بھی ہے اور مسلمانوں کے لئے ایک چارٹر بھی کہ وہ اس کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے لئے خود قوانین مرتب کریں۔

اے کاش! اسلامی نظام اور قوانینِ شریعت کی بے مقصد بحثوں میں الجھنے والے ان حقائق کو اپنے لئے چراغِ راہ قرار دیں۔

(اشتہار)

یکے از مطبوعات باغبان ایسوسی ایشن

اکیسویں صدی میں داخلہ

تمام باغبان خواتین و حضرات سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ 21ویں صدی میں داخل ہونے کے لئے ہمارا ساتھ دیں گے - 31 دسمبر 1999ء رات 12 بجکر ایک منٹ پر ایک تیار شدہ جگہ پھلدار پودا لگا کر بنجر پاکستان کی آبادی اور ماحول دوستی کا ثبوت دیں - جن کے پاس پودا نہ ہو وہ کوئی ساجھ بو دیں - شکریہ

(1) ملک حنیف وجدانی' صدر باغبان ایسوسی ایشن' سنبل سیداں' ڈاکخانہ موہڑہ سیداں' مری-

(2) صبینہ یاسمین' سینئر نائب صدر' باغبان ایسوسی ایشن' ٹبی سیداں' سوہاوہ' جہلم-

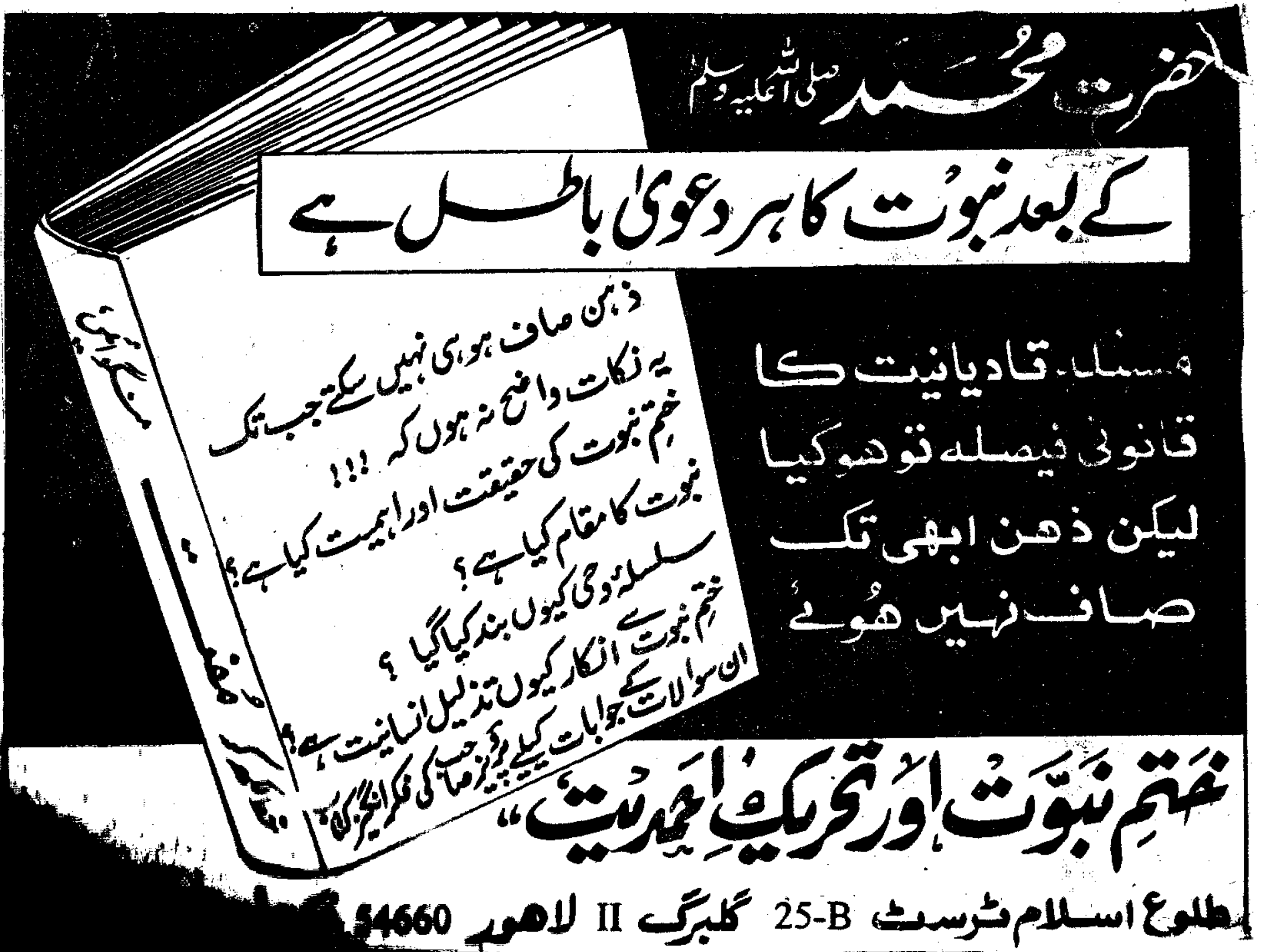
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے
مسئلہ قادیانیت کا
قانونی فیصلہ تو ہو گیا
لیکن ذہن ابھی تک
صاف نہیں ہوئے
ذہن صاف ہو ہی نہیں سکتے جب تک
یہ نکات واضح نہ ہوں کہ !!!
ختم نبوت کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟
نبوت کا مقام کیا ہے؟
سلسلۂ وحی کیوں بند کیا گیا؟
ختم نبوت سے انکار کیوں تذلیل انسانیت ہے؟
ان سوالات کے جوابات کیلئے پرویز صاحب کی فکر انگیز کتاب
"ختم نبوت اور تحریک احمدیت"
طلوع اسلام ٹرسٹ 25-B گلبرگ II لاہور 54660

been in confusion and corruption." Accordingly, the people shall remains subject to truth and truth is another name of the Quran.

Centralization is the basic theme in the formation of an Islamic regime as laid down in the Quran. For this, please read the pamphlet attached herewith namely, "the decentralization of *Ummah* is the basic cause of its debasement". However, keep it in mind that a centralization of authority and a centralization of the use of authority are two different things. The latter can be avoided by means of a sound and independent JUDICATURE.

We the Muslim residents of Pakistan expect from the Honorable Chief Executive of Pakistan that he may kindly get rid of the rotten secular system based on the western democracy and instead bring about a regime in Pakistan based on the injunctions, Laws and Permanent Values provided by the book of Allah. That is the only course to get rid of the misery and debasement that prevails in Pakistan at present.

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا **(17:22)**-

"Devise not another sovereign with Allah or thou wilt sit down despised forsaken."

Yours Faithfully.

(Dr. Sayed Abdul Wadud)

M.C.

30-10-1999

Enclosures:-

1- The book "Quranocracy"

2- The pamphlet, 'Rule of Allah in State Affairs'.

3- The pamphlet, 'Decentralization of 'Ummah' is the basic cause of its debasement'.

4- The pamphlet (in Urdu) فریب جمہوریت اور اس سے بچ نکلنے کا راستہ

5- The pamphlet (in Urdu) قرآن کا معاشی نظام

...h form the basis of an Islamic regime. Accordingly, these products ...system, based on the western type of democracy, become the ...of mischief along with the degradation and abasement of the country. ...t they try to mix up the Quranic way of life with their self made notions ...sed from the West. The opponents of Rasool-Allah (S) used to request ...hat if he can make a slight change in his organization, they were ready to ...promise with him. Allah Himself replied to this request of the non-Muslims ...s follows:

قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيٓ اَخَافُ اِنْ
عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ **(10:15)-**

"Tell them, I myself can not make any amendment. On the other hand, I am myself subservient to the Divine Command. If I make any amendment in it, I shall get punishment according to the law of requital. When I am not able to make any amendment myself, how can any body else do it.

As regards the question of majority and minority is concerned, it is apparent that when all decisions are subjected to Quranic guidance the question of voting does not arise. The concept that the decisions made by the majority are valid is entirely false.

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا
يَخْرُصُوْنَ **(6:116)-**

"If you consider that so and so a thing is correct because the majority says so, mind you! This procedure shall lead you away from the right path. Majority of people follow and solve their affairs by mere speculations. The measure of right and wrong is not based on majority and minority. It is the book of Allah, which provides this measure. The representatives of '*Ummah*' are bound to conduct their affairs within limits laid down by the Quran. 'HAQ' can not remain subject to whims and wishes of the people."

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ **(23:71)-**

"If the truth had been according to their desires, truly the heavens and the earth and all beings therein would have

SOVEREIGNTY.

The Islamic rule and a secular rule are two different things. In an Islamic rule, the entire working of the state is conducted within limits laid down by the Quran. No body has the right to trespass these limits. In other words إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (12:40) "The right to rule belongs to Allah alone. None else can be a partner to it."

لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (18:26) "Allah does not allow anybody to take part in his rule". In case any human being or a group of human beings, whatever its name may be, is given the right to rule, it shall be considered as a (شرك) 'shirk' which means to ascribe partners unto Allah.

No human being has got the right to rule not even a messenger of Allah. He cannot make people subject to his laws. (Al-Quran 3:79). Thus, it is apparent that, to begin with, a book is given to a Nabi who forwards it to other people and thus it reaches the common folk. The Quran was first bestowed to Muhammad (S) by means of *'Wahi'* and after that the entire *ummah* was made inheritor of it.

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (35:32)

"Then we have given for inheritance to such of my servants as we have chosen. (i.e. Muslim *Ummah*).

Thus the duty of *'Ummah'* is to establish the rule of Allah. As such the *'Ummah'* becomes the agency to put into action the DIVINE COMMANDMENTS. Contrary to this a government in which the right to make laws belongs to human beings is a secular government, in whatever form it exists. The organization in which the entire *ummah* takes part is considered to be a Consultant organization by the Quran. (أمرهم شورى بينهم) (42:38). its means all affairs shall be settled by means of consultation.

On the other hand, as stated earlier, in western type of democracy the law-making authority comprises the representatives of the people, who may be Muslims or non-Muslim. Consequently they become the sovereign power. These so-called representatives in a Muslim country are devoid of the knowledge provided by the Quran and as such cannot even think about introducing the Islamic way of life in the country. They have absolutely no knowledge of the injunctions and permanent values provided by the book of

The Honorable Chief Executive of Pakistan
G.H.Q., Rawalpindi

Respected Sir,

After the removal of ex-prime minister from his office, there is large hue and cry in the country for the return of democracy in Pakistan. As far as the return of democracy is concerned it is apparent that they mean western type of democracy, which has already brought about misery and degradation in the country.

The democracy came to be considered as the government of the people. It developed chiefly in the West, but the people of Asia and Africa who had suffered tremendously on account of their exploitation by the Autocrats and the Theocrats, with the resultant misery and exploitation, followed the West and took democracy to be a gift from heavens and a panacea for their ailments. The basic concept of democracy that no body has got the right to rule over the other is ideal, but the question arises whether it has achieved or is capable of achieving the aim it has laid down before itself. The renowned professors of London university themselves condemned democracy. Please see page 5 of my book Quranocracy. Also see 'The defects of democracy in practice' on page 7.

We Pakistanis are attracted by the comparatively better life of the people in the West, which is due only to their scientific achievements. But as they did not utilize these achievements for the benefit of humanity it resulted in to a dreadful condition of fear from nuclear power, the world over.

Pakistan came into being on the basis of TWO NATION THEORY and its achievement became possible by virtue of the slogan that was given to the Muslim population of undivided India VIZ (*Pakistan Ka Matlab Kia La Illaha Illalla). which* means, "there is no sovereign power besides Allah to whom subservience is due". Accordingly, sovereignty became the chief factor, which leads to the right path.